کیا میں خُدا کی مرضی کو جان سکتا ہوں؟

اہم سوالات

ڈاکٹر آر. سی. سپرول

کیا میں خُدا کی مر
ضی کو جان سکتا ہوں؟

ڈاکٹر آر۔ سی۔ سپرول

جملہ حقوق بحق ناشرین محفوظ ہیں

Originally published in English under the title:
Can I Know God's Will?
© 1984, 1999, 2009, 2010 by R.C. Sproul

Published by Ligonier Ministries
421 Ligonier Court, Sanford, FL 32771, U.S.A.
Ligonier.org
Translated by permission. All rights reserved.

نام کتاب   کیا میں خُدا کی مرضی کو جان سکتا ہوں؟
مصنف   ڈاکٹر آر۔ سی۔ سپرول
مترجم   پاسٹر سموئیل خورشید
اشاعت   مئی 2023
تعداد   1000
ناشرین   اُردو سنٹر فار ریفارمڈ تھیولوجی

اس کتاب کا ترجمہ اور اشاعت لیگنئیر منسٹریز (Ligonier Ministries) امریکہ کی اجازت سے کی گئی ہے ۔ آپ اس کتاب کو ہماری ویب سائٹ اُردُو سنٹر فار ریفارمڈ تھیولوجی www.ucrt.org سے مفت حاصل کر سکتے ہیں مگر یہ کتاب فروخت کے لئے نہیں ۔

فہرستِ مضامین

بابِ اوّل   خُدا کی مرضی کا مفہوم..................................1

بابِ دوم   انسان کی مرضی کا مفہوم..................................39

بابِ سوم   خُدا کی مرضی اور آپ کا پیشہ..................................69

بابِ چہارم   اِزدواج میں خُدا کی مرضی..................................99

باب اوّل

خُدا کی مرضی کا مفہوُم

طلسماتی دنیا میں کھوئی ایلس نہایت خوفزدہ اور تذبذب کا شکار ایک دوراہے پہ بُت بنی کھڑی تھی۔اس نے الٰہی رہنمائی کے لیے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں لیکن خُدا کی بجائے اِسکو ایک بڑابِلا نظر آیا جو درخت کی شاخ پہ بیٹھا اسکو گھوُر رہا تھا۔

کس راستے پہ جاؤں ؟ایلس بول اٹھی۔

''منحصر ہے '' بِلے نے تضحیک آمیز مسکراہٹ سے پریشان لڑکی کو جواب دیا۔

''کس پہ منحصر ہے ؟''لڑکی نے پوچھا۔

''آپکی منزل پہ ''آپ جا کہاں رہی ہیں۔بِلے نے جواب دیا۔

''مجھے نہیں پتہ میں کہاں جارہی ہوں ''ایلس ہکلائی۔

’’پھر‘‘اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کس راستے پہ جارہی ہیں‘‘ بِلے نے باچھیں پھیلاتے ہوئے جواب دیا۔

مسیحیوں کے لئۓ اُنکی منزل بہت اہمیت کی حامل ہے۔ ہم مسافر ہیں اگرچہ ہم موعُودہ سر زمین کے لیے بیابان میں آوارہ نہیں پھر رہے۔ ہم ایک بہتر ملک کی تلاش میں ہیں۔ ایک ایسا ابدی شہر جسکا معمار اور بنانے والا خُدا ہے۔ ایک دن وہ ہمیں اپنی بادشاہی میں ہمارے گھر لے جائۓ گا۔

ہماری آخری منزل متعین ہے۔ ہمیں پورا یقین ہیں کہ خُدا کے لوگوں کے لیے پُر جلال مستقبل ہے۔ اسکے باوجود آنے والے کل کی بابت کیا ہے؟ ہم غیر ایمانداروں کی طرح مستقبل قریب کے لیے فکر مند ہوتے ہیں۔ ہمارے مستقبل کی خاص باتیں ہمارے لیے پوشیدہ ہیں۔ ہم بچوں کی طرح پوچھتے ہیں کیا میں خُوش رہونگا؟ کیا میں امیر ہونگا؟ میرے ساتھ کیا ہوگا؟ ضرور ہے کہ ہم ایمان پر چلیں نہ کہ آنکھوں دیکھے پر۔

جب تک انسان کا وجود ہے فال دیکھنے والے اور جادوگر ہماری فکروں کا فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ اگر عصمت فروشی دُنیا کا پہلے نمبر کا قدیم ترین پیشہ ہے تو قسمت کا حال بتانا دوسرے نمبر کا

قدیم ترین پیشہ ہے۔ سٹاک مارکیٹ کے منصوبہ ساز، مقابلے کا بزنس مین، کھیلوں کی پیشگوئی کرنے والا، محبت کرنے والا جوان جوڑا سب ایک بات پوچھتے ہیں "مجھے کل کی بابت بتاؤ"۔ طالبعلم پوچھتا ہے کیا مَیں گریجویشن کرلوں گا؟ مینجر اس بات کی بابت سوچتا ہے کیا میری ترقی ہو گی؟ ڈاکٹر کے ہاں بیٹھا مریض ہاتھ پکڑ کر پوچھتا ہے کیا یہ کینسر ہے یا پیٹ کا درد؟ لوگ چھپکلی کے اندرونی حصوں، سانپ کی کینچلی، اُلو کی ہڈیاں، ویجا بورڈ (ایک لکڑی کا تختہ جس کے حاشیے پر کچھ حروف اور نشانات ہوتے ہیں جنکی طرف اس پر گھومنے والی حاضراتی تختی وغیرہ اشارہ کرکے حاضرین کے سوالوں کا جواب دیتی ہے)، یومیہ کا زائچہ، مبصرین پیشگوئیوں سے دریافت کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں انجانے مستقبل کے بارے میں یقین دہانی کے لیے ہیں۔

ایک مسیحی بھی اسی طرح بہت متجسس ہوتا ہے لیکن وہ اپنے سوالات کو فرق طریقہ سے ترتیب دیتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے "میری زندگی کے بارے میں خُدا کی کیا مرضی ہے؟"۔ خُدا کی مرضی کی تلاش خُدا پر تقویٰ بھی ہو سکتا ہے اور بے یقینی بھی۔ یہ حلیمی سے اپنے آپ کو اُسکے تابع کرنا بھی ہو سکتا ہے اور تکبر بھی۔ اِسکا انحصار اس بات پہ ہے کہ ہم خُدا کی کونسی مرضی تلاش کر رہے ہیں؟ پوشیدہ باتوں میں جھانکنے کی کوشش کرنا جنکو خُدا کسی پر آشکارہ نہیں کرنا چاہتا مقدس

چیزوں کیساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کے مترادف ہے جو کہ ہماری حدود سے پرے ہیں۔ جان کیلون کہتاہے کہ ''جب خُداخاموش رہتاہے تو ہمیں تحقیق سے بازرہناچاہیے''[1]

دوسری طرف خُدااپنے لوگوں کی دُعاوں کاجواب دینے میں خُوشی محسوس کرتاہے جب وہ کہتے ہیں''خُداوندتومجھ سے کیاچاہتاہے کہ میَں کیاکروں؟''مسیحی خُداکے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور اسکی پیروی کرتے ہیں۔اور اسکی تلاش میں رہتے ہیں کہ اسکی خُوشی کے لئے کیاکریں۔ اسکی مرضی کے لیے ایسی تلاش ایک مقدس تلاش ہے۔ایسی تلاش ہے جو دینداری کی جانب ایک صحت مند قدم ہے۔

خُداکی مرضی کا بائبلی مفہوم

ہم مشکل سوال کے سادہ جواب کے آرزومند ہیں۔ ہم شفافیت چاہتے ہیں۔ ہم الجھنوں

[1]John Owen, *Commentaries on the Epistle of Paul to the Romans*, Trans. ed. John Owen (reprint, Grand Rapid, MI: Baker Book House, 2003), 354.

سے بچ کر سوال کے درست جواب تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ بعض اوقات جوابات سادہ ہوتے ہیں لیکن ان کو پانے کا عمل بہت پُر مشقت اور الجھا دینے والا ہوتا ہے۔ بعض اوقات الجھے سوالوں کے سادگی کے جوابات دینا ہمیں وقتی طور پر دباؤ سے چھٹکارہ دے دیتا ہے۔

بہر حال سادہ جواب اور سادگی کا جواب ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ سادہ جواب درست ہے۔ یہ اس تمام مواد کو پیش کرتا ہے جو مشکل مسئلہ میں پایا جاتا ہے۔ یہ شفاف ہوتا ہے اور پورے طریقہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ سخت سوالوں کا سامنا کرنے کے لیے مستحکم ہوتا ہے۔ جبکہ سادگی کا جواب جعلی ہوتا ہے۔ بظاہر یہ درست مکالمہ معلوم ہوتا ہے جبکہ باریک جانچ پڑتال سے اسکی خامیاں اور جھوٹ ظاہر ہو جاتا ہے۔ سادگی کے جواب میں تھوڑا بہت مواد ہو سکتا ہے لیکن سارا نہیں۔ یہ مبہم ہی رہتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس پر تکیہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ گہرے سوالوں کے سامنے ناکام ہو جاتا ہے۔ یہ مکمل طور پر مطمئن نہیں کرتا۔

علمِ الٰہی کے سب سے اذیت ناک سوالوں میں سے ایک یہ ہے کہ "آدم کیوں گر گیا؟" ایک سادگی کا جواب جو اکثر سننے میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ آدم اپنی آزاد مرضی کی بدولت گر گیا۔ یہ جواب ہمیں اسی وقت تک مطمئن رکھتا ہے جب تک ہم اسکو مزید گہرے طور سے جاننے کی کوشش نہیں کرتے۔ فرض کریں ہم پوچھتے ہیں "ایک کامل خالق کی راست مخلوق کس طرح

گناہ کر سکتی ہے ؟'' جب کہ اسکے اندر پہلے سے اس طرف رغبت ہی نہیں تھی یا اسکا مزاج برائی کی طرف مائل ہی نہیں تھا تو آدم نے کیسے بُرا چناؤ کیا؟ کیا ابلیس نے اسے دھوکہ دیا یا اس سے زبردستی ایسا کروایا؟ اگر ایسا ہے تو آدم کو اسکا الزام کیوں دیا گیا؟ اگر آدم کو دھوکہ دیا گیا تھا تو یہ سارا قصور ابلیس کا تھا۔ اگر اس سے زبردستی یہ کروایا گیا تو یہ اسکی آزاد مرضی یا اسکا اپنا چناؤ نہیں تھا۔ اگر اس نے اس لیے گناہ کیا کیونکہ گناہ کرنے کی رغبت یا خواہش پہلے سے اسکے اندر موجود تھی تو پھر ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ اسکی بُری خواہش کا منبع کیا تھا؟ کیا خُدا نے یہ خواہش اسکے اندر رکھی ؟ اگر ایسا ہے تو ہم خالق کی کاملیت یا ایمانداری پہ شک کر رہے ہیں۔

شاید سادگی کے جواب کی کمزوریوں کو بے نقاب کرنے کا سادہ طریقہ یہ ہے کہ آدم اپنی آزاد مرضی سے گر گیا۔ اس سے ہم اس سوال کو ایک اور زاویے سے پوچھ سکتے ہیں کہ ''آدم نے کیوں اپنی آزاد مرضی کو گناہ کرنے کے لیے استعمال کیا؟'' اِس کا آسانی سے یہ جواب نہیں دیا جا سکتا'' کیونکہ اس نے ایسا کرنا چاہا'' یہ جواب تھوڑا بہت توضیحی انداز میں سوال ہی کا اعادہ ہے۔

میری خواہش ہے کہ مَیں آدم کی گراوٹ کے مشکل ترین سوال کا ایک سادہ سا جواب دوں۔ لیکن مَیں ایسا نہیں کر سکتا۔ اکلوتا جواب جو مَیں اس سوال کا دے سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ مجھے اسکے جواب کا نہیں پتہ۔

یقیناً کئی قارئین اس نقطہ پر میری تادیب کرینگے اور آپس میں کہیں گے کہ ''مجھے اسکا جواب معلوم ہے ''آدم اس لیے گر گیا کیونکہ یہ خُدا کی مرضی تھی۔''

تو پھر مَیں فوراً یہ پوچھوں گا کہ کس بنا پر آدم کی گراوٹ خُدا کی مرضی تھی؟ کیا خُدا نے آدم کو زبردستی گرایا اور پھر اسکو اس بات کی سزا دی جس سے بچنا اس کی دسترس سے ہی باہر تھا؟ ایسا ناقص سوال خوُد جواب دینے کے لیے پوچھا جاتا ہے۔ ایک طرح سے یقیناً آدم کی گراوٹ خُدا کی مرضی تھی۔ لیکن چُبھتا ہوا سوال پھر وہیں رہتا ہے کہ کس بناء پر؟

یوں یہ سوال جو خُدا کی مرضی سے تعلق رکھتا ہے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ آدم کی زندگی میں خُدا کی مرضی نے کیا کردار ادا کیا؟ لیکن اس سے بھی آگے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہماری زندگیوں میں خُدا کی مرضی کس طرح کام کرتی ہے۔

جب سوالات مشکل اور پیچیدہ ہوں تو بہترین اصول یہ ہے کہ انکی بابت جتنا ممکن ہو سکے مواد اکٹھا کیا جائے۔ سراغ رساں کے پاس جتنے زیادہ سراغ ہوں گے جرم کو حل کرنا ''عام طور'' پر اتنا ہی آسان ہو گا۔ لفظ ''عام طور'' پر غور کریں۔ بعض اوقات سراغ رساں ضرورت سے زیادہ اشارے ملنے پر بھی مشکل میں پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ ضرورت سے زیادہ سراغ کئی مشکلات کھڑی کر دیتے ہیں۔ مستند ممبرانِ کمیٹی جن کے پاس فیصلہ کن ذمہ داریاں ہوتی ہیں وہ

ے

کافی مواد اکٹھا کرنے اور اسکا ریکارڈ رکھنے کی اہمیت سے واقف ہوتے ہیں۔اسکا اصول یہ ہو سکتا ہے کہ اگر آپکے پاس کافی مواد موجود ہے تو فیصلہ اُبھر کر سامنے آجاتا ہے۔ مَیں دوبارہ کہوں گا ''عام طور پر۔'' بعض اوقات مواد اتنا الجھا ہوا ہوتا ہے کہ وہ چلاتی ہوئی چڑیل کی طرح ہمارے مقابلے کو سامنے آجاتا ہے اور ہماری قابلیت کو للکارتا ہے۔

مَیں مواد کے نقطہ آغاز، پیچیدگی اور سادگی پر زور دیتا ہوں۔ کیونکہ خُدا کی مرضی کا بائبلی مفہوم بہت پیچیدہ معاملہ ہے۔اس معاملے کو سادگی کے جوابات سے حل کرنا تباہی کو دعوت دینا ہے۔ کئی دفعہ خُدا کی مرضی جیسے مشکل بائبلی مسائل کے ساتھ لڑنا ہمارے لیے سخت سر درد بن جاتی ہے۔اسکے باوجود ہماری نیک جستجو نیک ہے،اس کا حصول اِس لائق ہے کہ اسکے لیے سر درد لی جائے۔ لیکن ہمیں اس کارروائی کو آگے بڑھانے میں سادگی کے عمل سے خبردار رہنا ہے کہ کہیں ہم نیک جستجو کو بد مفروضہ میں نہ بدل دیں۔

شروع میں ہی اس بات کو دیکھتے ہیں کہ بائبل خُدا کی مرضی کے بارے میں ایک سے زیادہ طریقوں سے بات کرتی ہے۔ یہ بنیادی وجہ ہے جس سے ہمارا سوال الجھ جاتا ہے اور یہ سادگی کے ساتھ حل نکالنے کے خلاف ایک انتباہ بھی ہے۔نئے عہد نامہ میں یونانی زبان کے دو الفاظ ہیں جنکا ترجمہ ''مرضی'' کیا جا سکتا ہے اور کیا بھی گیا ہے۔یوں لگتا ہے کہ مسئلے کے حل کے لیے

جس چیز کی ہمیں ضرورت ہے وہ یہ کہ ہم مختصراًان دو الفاظ کا جائزہ لیں اور جب بھی ہم لفظ مرضی دیکھیں ہر دفعہ یونانی متن کو دیکھیں۔افسوس کہ اس طرح سے کام نہیں چلتا۔جب ہم ہر دفعہ یونانی الفاظ کے معنوں کاالگ الگ رنگ دریافت کریں گے تو بوجھ بڑھ جائے گا۔اور لفظوں کے استعمال کے لیے یونانی عبارت کو سادہ طریقہ سے دیکھنا مشکل سوال کو حل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔

بحرحال یونانی الفاظ کے معنی دریافت کرنا یہ دیکھنے کے لیے مددگار آغاز ہے کہ یہ دوالفاظ ہمارے سوال پر روشنی ڈالتے ہیں کہ نہیں۔آئیں اِن کا مختصراً جائزہ لیں۔یہ دوالفاظ ''بُولے'' (*boule*)اور ''تھیلما''(*thelema*)ہیں۔

اصطلاح ''بُولے'' کی جڑیں قدیم فعل میں پیوست ہیں جسکا مطلب ہے ''عقلی یاشعوری خواہش''جبکہ اس کے برعکس ''تھیلما''کا مطلب ہے ''جذباتی یالاشعوری خواہش''۔قدیم دوَر میں اِن دونوں اصطلاحوں میں ہلکاسافرق تھا۔جوُں جوُں یونانی زبان نے ترقی کی ان الفاظ میں یہ امتیاز کم ہوتا چلا گیااور پھر یہ الفاظ مترادف الفاظ کے طور پر استعمال ہونے لگے۔پھر مصنفین نے اسلوب بیان میں تبدیلی کے لئے ان اصطلاحات کوایک سے دوسری کیساتھ تبدیل کردیا۔

نئے عہد نامہ میں ''بُولے'' عام طور پر غور و فکر کیساتھ محتاط منصوبے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ اکثر اوقات خُدا کی مشورت کیساتھ تعلق رکھتی ہے۔ ''بوُلے'' اکثر اوقات خُدا کے الٰہی منصوبے کی طرف اشارہ کرتی ہے جو کہ پہلے سے طے شدہ اور لا تبدیل ہے۔ لوقا اسکو اعمال کی کتاب میں یوں استعمال کرتا نظر آتا ہے۔ ''جب وہ خُدا کے مقررہ انتظام اور علم سابق کے موافق پکڑوایا گیا تو تم نے بے شرع لوگوں کے ہاتھ سے اسے مصلوُب کروا کر مار ڈالا'' (اعمال 2 باب 23 آیت)۔

یہاں پر خُدا کا پُر عزم آئین نظر آتا ہے جسے کوئی انسانی عمل باطل نہیں کر سکتا۔ خُدا کا منصوبہ ناقابل تسخیر اور اسکی ''مرضی'' ناقابل تغیر ہے۔

لفظ ''تھیلما'' اپنے معنی میں متنوع ہے۔ یہ اس طرف اشارہ کرتا ہے جس کے ساتھ اتفاق کیا جا سکے، جسکی خواہش کی گئی ہو، جسکا ارادہ کیا گیا ہو، جسکا چناؤ کیا گیا ہو یا جسکا حکم دیا گیا ہو۔ یہاں رضامندی، خواہش، مقصد، قرارداد اور حکم کا تصور موجود ہے۔ مختلف معنوں کی طاقت کا تعین اس سیاق و سباق سے ہوتا ہے جس میں یہ اصطلاح پائی جاتی ہے۔

خُداکی فیصلہ کن مرضی

ماہرین الٰہیات ''خُدا کی فیصلہ کن مرضی'' کو ایسی مرضی بیان کرتے ہیں جس سے خُدا چیزوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اسکی اعلیٰ حاکمیت کے مطابق ہوں۔ یہ خُدا کی ''موثر حاکمانہ مرضی '' کہلاتی ہے۔ اپنی اس مرضی سے خُدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ جب اس مرضی سے خُدا کسی کام کے ہونے کا حکم دیتا ہے تو کوئی اس کام کو ہونے سے روک نہیں سکتا۔

جب خُدا نے روشنی کو ہونے کا حکم دیا تو اندھیرے کے پاس کوئی طاقت نہیں کہ اسکے حکم کی خلاف ورزی کرے۔ روشنی ہو گئی۔ خُدا نے روشنی کو مائل نہیں کیا کہ وہ ہو۔ اس نے جزو لازم کی قوتوں کیساتھ کوئی گفت و شنید نہیں کی کہ وہ کائنات کو بنائیں۔ اس نے نجات کے منصوبے کو آزمائشوں سے گزار کر پورا نہیں کیا۔ صلیب دنیوی حادثہ نہیں تھا جس سے الٰہی ذات نے فائدہ اٹھایا۔ یہ چیزیں طے شدہ تھیں۔ اُنکے اثرات کار گر تھے (جنہوں نے مطلوبہ نتائج دیئے) کیونکہ اُنکا سبب الٰہی حاکمانہ فرمان تھا۔

ایک سنجیدہ خطرہ اُنکو درپیش ہوتا ہے جو خُدا کی مرضی کے معنی کو فیصلہ کن مرضی تک محدود کر دیتے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ مسلم کہتے ہیں'' یہ اللہ کی مرضی ہے ''۔ ہم کئی دفعہ زندگی

کے نظریہ جبریت کی طرف پھسل جاتے ہیں جو کہتا ہے کہ "*que sera, sera,*" یعنی "جو ہونا ہے ہو کے رہنا ہے"۔ایسا کہنے سے ہم ذیلی مسیحیت کی ایک شکل یعنی تقدیر پرستی سے جا ملتے ہیں جو کہتی ہے کہ جیسے خُدا نے ٹھان لیا ہے ہر چیز اسی طرح ہوتی ہے۔اس طرح ہم انسانی چناؤ کو خارج کر دیتے ہیں۔

مستند ماہرین علم الٰہیات انسان کی مرضی کے فعال ہونے، چناؤ، ذمہ داری کی حقیقت پر زور دیتے ہیں۔ خُدا اپنے منصوبوں کو پورا کرنے کے لئے ذرائع کا استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنے منصوبوں کو اپنی فعال اور صاحب منشا مخلوق کے چناؤ کے ذریعے سے پورا کرتا ہے۔ کچھ بنیادی اور کچھ ثانوی علتیں ہوتی ہیں۔اس بات سے انکار کرنا ہمیں عقیدہ جبریت کی ایک قسم کی طرف لے جاتا ہے جو انسانی آزادی اور توقیر کو خارج کر دیتا ہے۔

پھر بھی ایک خُدا ہے جو قادر مطلق ہے اور اسکی مرضی ہماری مرضی سے معتبر ہے۔اسکی مرضی میری مرضی کو رد کر سکتی ہے میری مرضی اسکی مرضی کو رد نہیں کر سکتی۔ جب وہ اپنے اختیار سے کچھ ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ اُسی طرح ہوتا ہے چاہے مَیں اسکو پسند کروں یا نہ کروں، مَیں اسکا چناؤ کروں یا نہ کروں۔ وہ قادر مطلق ہے اور مَیں اسکے ماتحت ہوں۔

خُدا کی ناصحانہ مرضی

جب بائبل خُدا کی مرضی کی بات کرتی ہے تو یہ ہمیشہ خُدا کی فیصلہ کن مرضی کی بات نہیں کرتی۔ خُدا کی فیصلہ کن مرضی کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی۔ یہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ دوسری طرف خُدا کی ایسی مرضی بھی ہے جسکی خلاف ورزی کی جاسکتی ہے۔ اور یہ خُدا کی ناصحانہ مرضی ہے۔ اسکی نافرمانی کی جاسکتی ہے۔ بیشک ہم میں سے ہر کوئی ہر روز اسکو توڑتا اور اسکی نافرمانی کرتا ہے۔

خُدا کی ناصحانہ مرضی اسکی شریعت میں پائی جاتی ہے۔ اسکے فرمان، خاص قوانین، اور احکام جو وہ اپنے لوگوں کو دیتا ہے اسکی ناصحانہ مرضی ہے۔ یہ قوانین ہمیں بتاتے اور ہم پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے لیے اچھا کیا ہے۔ خُدا کی ناصحانہ مرضی ہماری زندگیوں کے لیے اسکا راست اصول ہے جس سے وہ ہمیں چلاتا ہے۔

خُدا کی مرضی ہے کہ ہم گناہ نہ کریں۔ یہ خُدا کی مرضی ہے کہ اسکے حضور ہم غیر معبودوں کو نہ مانیں۔ اسکی مرضی ہے کہ ہم اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھیں، ہم چوری نہ کریں،

لالچ نہ کریں، زنانہ کریں۔اس کے باوجود یہ دنیابت پرستی، نفرت، چوری، لالچ اور زناکاری سے بھری پڑی ہے۔جب اسکی شریعت ٹوُٹتی ہے توخُدا کی مرضی کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

عصر حاضر کی مسیحیت کا المیہ یہ ہے کہ ان میں بہت سے مسیحی خُدا کی مخفی اور فیصلہ کن مرضی کو مانتے اور خُدا کی ناصحانہ مرضی کو خارج اور نظر انداز کرتے ہیں۔ ہم پردے کے پیچھے جھانکنا چاہتے ہیں تاکہ ہم اپنے مستقبل کی جھلک دیکھ سکیں۔ ہم فرمانبرداری کی نسبت اپنی جنم پتری کی بارے زیادہ فکر مند ہیں۔ ہم اپنی چال کی نسبت ستاروں کی چال کے بارے زیادہ فکر مند ہیں۔

خُدا کی فیصلہ کن مرضی کے بارے میں فرض کیا جاتا ہے کہ ہم غیر فعال ہیں۔اُسکی ناصحانہ مرضی کے بارے ہم جانتے ہیں کہ ہم فعال ہیں اور اس لیے ذمہ دار اور جوابدہ ہیں۔ خُدا کی مخفی مشورت کے لیے بے دین قسم کی دعاؤں میں مشغول ہو جانااِس سے آسان ہے کہ ہم اپنے آپ کو دینداری کے کاموں میں مشغول کریں۔ ہم خُدا کی فیصلہ کن مرضی کی محافظت کی طرف بھاگ سکتے ہیں کہ اپنے گناہوں کو اُس کے سپرد کریں اور اِس کا سارا بوجھ اور ذمہ داری اسکی لاتبدیل مرضی پرڈال سکتے ہیں۔ایسارویہ مخالف مسیح،اور بے شرع کردار کو پیش کرتا ہے جو خُدا کی شریعت اور اسکے قوانین کی تضحیک کرتا ہے۔

پروٹسٹنٹ بالخصوص اس بگاڑ سے مجروع ہوتے ہیں۔ ہم ''راستبازی بذریعہ صرف ایمان'' جیسے اپنے قیمتی نظریے میں محفوظ ہوتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ نظریہ راستبازی کے تعاقب اور خُدا کی ناصحانہ مرضی کی تابعداری میں مصروف عمل ہے۔

بائبلی راستبازی

حبقوق کی مشہور آیت ''صادق اپنے ایمان سے زندہ رہے گا'' (حبقوق 2 باب 4 آیت) نئے عہد نامہ میں تین دفعہ ملتی ہے۔ یہ بشارتی پروٹسٹنٹ جماعت کا نعرہ بن چکا ہے جو راستبازی بذریعہ ایمان پر زور دیتے ہیں۔ اس نعرے کے اندر مسیحی زندگی کے جوہر کا اشارہ ہے اور اسکا مرکزی نقطہ راستبازی کا بائبلی تصور ہے۔

یہ یسوع مسیح کے ہنگامہ انگیز بیانات میں سے ایک ہے ''کیونکہ میَں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہو گی تو تم آسمان کی بادشاہی میں ہر گز داخل نہ ہو گے'' (متی 5 باب 20 آیت)۔ ہمارے لیے یہ مان لینا آسان ہے کہ یسوع مسیح کا مطلب یہ تھا کہ ہماری راستبازی ریاکاری کرنے والوں کی راستبازی سے اعلیٰ قِسم کی ہونی

چاہیے۔نئے عہد نامے کے دوَر سے فقیہوں اور فریسیوں کا جو تصور ہمارے پاس ہے وہ یہ کہ وہ بے ایمان اور مذہبی دھوکہ دہی کے بے رحم عامل تھے۔یہ بات ہمیں ضرور یاد رہنی چاہیے کہ فریسی بطور جماعت ایسے لوگ تھے جو اعلیٰ درجے کی راستبازی کی زندگی گزارنے کے لئے پر عزم تھے۔اِسکے باوجود یسوع مسیح کہتے ہیں کہ تمہاری راستبازی انکی راستبازی سے زیادہ ہونی چاہیے۔ یسوع مسیح کا کیا مطلب تھا؟

جب ہم راستبازی کے بائبلی تصور پر غور کرتے ہیں تو اصل میں ہمارا سامنا ایسے معاملہ سے ہوتا ہے جو اصل میں علم الٰہی کے ہر میدان سے تعلق رکھتا ہے۔سب سے پہلے خُدا کی راستبازی ہے جس سے راستی اور ناراستی کے تمام معیارات کی پیمائش کی جاتی ہے۔راستبازی کے لیے خُدا کا کردار حتمی بنیاد اور نمونہ ہے۔پرانے عہد نامہ میں راستبازی کی تعریف خُدا کے دیئے گئے احکام کی فرمانبرداری کے لحاظ سے کی جاتی ہے جو خود مکمل طور پر صادق ہے۔ان احکامات میں صرف انسانی روّیوں کا قوانین شامل نہیں جن کا تعلق ہمارے ساتھی انسانوں سے ہے بلکہ ان کا تعلق ان معاملات کیساتھ بھی ہے جو اپنی فطرت میں عبادتی اور رسمی ہیں۔

پرانے عہد نامہ میں اسرائیلیوں اور نئے عہد نامہ کے دوَر میں فریسیوں کے ہاں عبادتی راستبازی مستند راستبازی کا نعم البدل تھی۔یعنی آدمی شریعت کے وسیع تر اطلاق کی بجائے

مذہبی طبقے کی رسومات کی تعمیل کر کے مطمئن تھے۔ مثال کے طور پر یسوع مسیح نے فریسیوں کو سونف اور پودینہ کی دہ یکی دینے مگر شریعت کی بھاری باتوں انصاف اور رحم کو چھوڑ دینے پر ڈانٹا۔ یسوع مسیح نے ظاہر کیا کہ فریسی دہ یکی دینے پر تو درست تھے لیکن اس بات پر غلط تھے کہ انہوں نے یہ سوچ لیا تھا کہ عبادتی عمل ہی شریعت کے مطالبوں کو پُورا کرتا ہے۔ یہاں عبادتی راستبازی ہی حقیقی فرمانبرداری کا نعم البدل بن گئی تھی۔

بشارتی دنیا میں راستبازی درحقیقت ایک نایاب لفظ ہے۔ ہم اخلاقیات، روحانیت اور پارسائی کی بات کرتے ہیں۔ شاذ و نادر ہی راستبازی کی بات کی جاتی ہے۔ اِس سب کے باوجود ہماری نجات کا مقصد تقویٰ یا روحانیت نہیں بلکہ راستبازی ہے۔ نئے عہد نامہ کے مطابق روحانیت راستبازی کی منزل پانے کا ذریعہ ہے۔ روحانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خُدا کے روحانی فضل کو اس کے بیٹے کی صورت پر ڈھلنے کے لیے کام میں لاتے ہیں۔ دعا، بائبل کا مطالعہ، کلیسیائی رفاقت، گواہی دینا اور اس طرح کی باتوں میں تربیت اپنی ذات میں نقطہ منتہا نہیں ہیں بلکہ راستبازی کی زندگی گزارنے میں معاون ہیں۔ اگر یہ خیال کرتے ہیں کہ مسیحی زندگی کا درجہ کمال روحانیت ہے تو ہم اپنی نشو و نما میں پست قد ہیں۔

روحانی فرائض خُدا کے ساتھ ہمارے سفر کا صرف آغاز ہیں۔ ہمیں اس سوچ کے خطرے سے آگاہ رہنا چاہیے کہ روحانیت مسیح کے مطالبات کو پورا کرتی ہے۔ عبادتی یا رسمی اعمال کو اصل راستبازی سمجھ لینا فریسیت کے پھندے میں پھنسنا ہے۔ ہمیں ہر حال میں دُعا کرنی، بائبل کا مطالعہ کرناہ اور بشارتی گواہی دینی ہے۔ بحرحال ہمیں اپنی زندگی کے ہر نقطے پر راستبازی کا تعاقب کرنے سے باز نہیں آنا۔

"تصدیق" یعنی راستباز ٹھہرائے جانے کے عمل میں ہم مسیح کی راستبازی سے مُلبس ہو کر خُدا کی نظر میں راستباز ہوتے ہیں۔ تاہم جو نہی ہم راستباز ٹھہرتے ہیں ضرور ہے کہ ہماری زندگیاں اس شخصی راستبازی کی گواہی دیں جو تصدیق میں سے جاری ہوتی ہے۔ میرے لئے یہ بات بہت دلچسپ ہے کہ بائبل میں راستبازی کا سارا تصور یونانی کے ایک لفظ "ڈیکایوس" (*dikaios*) میں پایا جاتا ہے۔ یہی یونانی لفظ پہلی مثال میں خُدا کی راستبازی کے لئے اور دوسری مثال میں تصدیق کے لئے اور تیسری تمثیل میں زندگی کی راستبازی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یوں شروع سے آخر تک خُدا کی فطرت سے لیکر انسان کی منزل تک ہمارا فرض ایک ہی رہتا ہے اور وہ ہے راستبازی کے لئے بُلاوہ۔

ضرور ہے کہ حقیقی راستبازی کو ہماری اپنی راستبازی کیساتھ الجھایا نہ جائے۔ ہماری راستبازی ہماری تصدیق سے نکلتی ہے جسکی بنیاد صرف مسیح کی راستبازی ہے۔ ہمیں کبھی بھی اس سوچ سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ راستبازی کے کام بذاتِ خود کوئی ایسی قابلیت رکھتے ہیں ۔ پروٹسٹنٹ ہونے کے ناطے ہمیں پُر جوش طرح سے ''صرف ایمان کے ذریعے راستباز ٹھہرائے جانے'' کے اپنے نظریے کو برقرار رکھنا چاہیے۔ ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ راستباز ٹھہرایا جانا صرف ایمان سے ہے لیکن ایسے ایمان سے نہیں ہے جو اپنی ذات میں تنہا ہے۔ حقیقی ایمان اپنے آپ کو ایسی راستبازی میں ظاہر کرتا ہے جو فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ یہ شریعت کے بڑے معاملات انصاف اور رحم کی بابت فکر مند ہوتا ہے۔

ہم اپنی زندگی کے ہر معاملے میں خُدا کی راستبازی کی گواہی دینے کے لیے بلائے گئے ہیں۔ اپنے دعائیہ کمرے سے لیکر عدالت کے کمرے تک، چرچ کے بینچ سے لیکر بازار تک۔ یسوع مسیح کی پہلی ترجیح یہ ہے کہ ہم پہلے خُدا کی بادشاہی اور اسکی راستبازی کی تلاش کریں۔ تو پھر یہ سب چیزیں بھی مل جائینگی۔

ضبط سے کراہیت

''ہر کوئی اپنے کام سے کام رکھے۔'' ساٹھ کی دہائی کا یہ پِٹا ہوا فقرہ ہمارے دوَر کی روح کو بیان کرتا ہے۔ وہ کچھ کرو جس سے آپ کو خُوشی ملتی ہے،اس بڑھتی ہوئی آزادی کی حیثیت ناقابل تبدیل حق کے مساوی ہوگئی ہے۔ یہ ان قوانین سے تنفر پیدا کرتا ہے جو اسکی مزاحمت کرتے ہیں۔ چاہے وہ خُدا کے قوانین ہوں یا انسان کے۔

یہ سرایت کر جانے والا قانون مخالف رویّہ یا منکرِاخلاقیات نظریہ بائبل کے اِس دوَر کی یاد دِلاتا ہے جس نے خُدا کی عدالت کو بھڑ کا جیسا لکھا ہے: ''۔۔۔ہر شخص جو اسکی نظر میں اچھا معلوم ہوتا وہی کرتا تھا'' (قضاۃ 17 باب 6 آیت)۔ لادین دُنیا اس رویے کی عکاسی اپنے بیان میں یوں کرتی ہے ''حکومت اخلاقیات پر قانون سازی نہیں کر سکتی۔'' اخلاقیات کو نجی معاملہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو حکومت بلکہ کلیسیا کے دائرہ اختیار سے بھی باہر ہے۔

لفظ کے معنی میں اتنی لطیف تبدیلی کی گئی ہے کہ بہت سارے لوگ اس کے اصل معنی کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ''تم اخلاقیات کو قانونی حیثیت نہیں دے سکتے'' اس خیال کو پھیلانے کا اصل مقصد مخصوص سر گرمیوں سے منع کرنے اور انکو ختم کرنے والے قانون کو پاس ہونے

سے روکنا تھا۔اس جملے کا نکتہ یہ تھا کہ ایسے قوانین بالفعل(*ipso facto*)اِن کی اطاعت کا پیش خیمہ نہیں ہو سکتے۔درحقیقت بعض اوقات کچھ خاص کاموں کی قانونی ممانعت بڑے قوانین کو توڑنے کے لیے اُکساتی ہے۔نشیلے مشروبات پر پابندی اِسکی ایک مثال ہے

اخلاقیات کی قانون سازی عصری تشریحات اصل مدعا سے مختلف ہے۔ایسی تشریحات یہ کہنے کی بجائے کہ حکومت اخلاقیات کی قانون سازی نہیں کر سکتی یہ بیان کرتی ہیں کہ حکومت کو اخلاقی قانون سازی کرنی ہی نہیں چاہیے۔جسکا مطلب یہ ہے کہ حکومت کو اخلاقی معاملات سے پرے رہنا چاہیے۔جیسے کہ اسقاط حمل، ناجائز جنسی فعل، شادی اور طلاق وغیرہ جیسے معاملات۔ ابھی تک اخلاقیات نجی حلقوں میں ضمیر کا معاملہ ہے۔کیونکہ ایسے معاملات کی بابت قانون سازی کرنا حکومت کی طرف سے رازداری پر حملہ تصور کیا جاتا اور سمجھا جاتا ہے کہ حکومت بنیادی شخصی آزادی کی منکر ہے۔

اگر ہم اس قسم کی سوچ کو منطق کیساتھ سمجھیں تو ہم حکومت کے کام کو بہت محدُود کر دیتے ہیں۔اگر حکومت اخلاقیات کو قانونی حیثیت نہیں دے سکتی تو اِسکا کام تو بس جھنڈے کے رنگ، قومی پرندہ اور قومی پھول کا انتخاب کرنا ہی رہ جائے گا۔(بحرحال شاید پھولوں کے سوال یا قومی پرندے کو ہی اخلاقیات تصور کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ماحولیاتی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں

جو کہ بالآخر اخلاقی ہوتے ہیں)۔ قانون سازی سے متعلق معاملات در حقیقت ایک طے شدہ اخلاقی کردار ہیں۔ قتل، چوری اور عوامی حقوق کی بابت قانون، یہ اخلاقی معاملہ ہے۔ایک شخص ہائی وے پر کس طرح گاڑی چلا رہا ہے یہ ایک اخلاقی معاملہ ہے چونکہ اسکا تعلق دوسرے مسافروں کی بھلائی کے ساتھ ہے۔

چرس کو قانونی حیثیت دینے کی بابت سوالات اکثر اس حقیقت پر مرتکز ہونگے کہ ایک خاص عمر کے لوگ اس قانون کو پامال کرتے ہیں۔ یوں دلائل دیئے جاتے ہیں: قانون کی عدولی بہت وسیع ہے کیا یہ اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتی کہ قانون ہی بُرا ہے؟" اس طرح سے نتیجہ اخذ کرنے کا انجام بے نتیجہ غُل غپاڑہ ہی ہو گا۔ گانجے کو جرم قرار دینا چاہیے کہ نہیں اِسکا فیصلہ اس بات سے نہیں ہو سکتا کہ کتنے لوگ اس قانون کی پامالی کرتے ہیں۔

نکتہ یہ ہے کہ امریکیوں کی بڑی تعداد گانجا کی بابت ایک معروف "نظریہ اضدادیت" (*antinomianism*) یعنی "منکرِ اخلاقیات" کی عکاسی کرتی ہے۔ شریف النفس لوگ جابر حکومت کی طرف سے زبردستی نافذ کی گئی اعلیٰ درجے کی اخلاقیات کی نافرمانی کی مشکل سے ہی حوصلہ افزائی کر سکتے ہیں۔ یہاں پہ قانون محض آسائش اور جسمانی خواہش کی بنا پر توڑا جاتا ہے۔

کلیسیا میں اکثر اوقات اضدادیت کی یہی روح نظر آتی ہے۔ پوپ بینڈکٹ 16 کو اپنے پیشروؤں کی شرمناک میراث کا سامنا تھا جب وہ دنیا کو صفائی دینے کی کوشش کرتا ہے کہ اسکے امریکن پیروکاروں کی اکثریت رائے شماری کرنے والوں کو بتاتی ہے کہ وہ مانع حمل کے مصنوعی طریقے استعمال کرتے ہیں جبکہ پوپ کا فرمان اِن سے منع کرتا ہے۔ کوئی پوچھے کہ لوگ کیسے اپنے لاخطا کلیسیائی قائد پر ایمان کا اقرار کر سکتے ہیں جبکہ بیک وقت وہ ہٹ دھرمی سے اس لیڈر کی اطاعت سے منکر بھی ہوں۔

پروٹسٹنٹ کلیسیاؤں میں جب لوگوں کو احتساب کے لئے بلایا جاتا ہے تو وہ برہم ہو جاتے ہیں۔ وہ اکثر بیان کرتے ہیں کہ کلیسیا کے پاس انکے شخصی معاملات میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ یہ بات اس حقیقت کے باوجود کرتے ہیں کہ اپنے کلیسیائی حلف میں انہوں نے جماعت کے سامنے اپنے آپکو اخلاقی نگہبانی کے لیے کلیسیائی نگرانی کے سپرد کیا ہے۔

نظریہ اضدادیت بشارتی حلقوں میں دوسرے حلقوں کی نسبت نایاب ہونا چاہیے لیکن بدقسمتی سے حقائق اِسکے برعکس ہیں۔ بشارتی حلقوں میں خُدا کی شریعت کی بابت اتنی سرد مہری پائی جاتی ہے کہ عذاب کی جو پیشینگویاں رومن کیتھولک نے مارٹن لوتھر کے بارے میں کیِں انکے پورے ہونے کی گونج سنائی دینا شروع ہو گئی ہے۔ بلا شُبہ کچھ بشارتی لوگ ''راستبازی

بذریعہ ایمان" کو گناہ کرنے کے پروانے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔اِن کو بجا طور پر جعلی بشارتی لوگ قرار دیا جاسکتا۔وہ شخص جو "راستبازی بذریعہ ایمان" کی ابتدائی سمجھ رکھتا ہے وہ بھی یہ جانتا ہے کہ مستند ایمان ہمیشہ خُدا کی شریعت کی اطاعت میں پُر جوش طرح سے ظاہر کرتا ہے۔کوئی بھی سنجیدہ مسیحی خُدا کی شریعت کی بابت ایسا بے اعتنا رویہ نہیں اپنا سکتا۔اگرچہ ایسے قوانین کی تابعداری اپنی ذات میں راستبازی نہیں ہے لیکن راستباز آدمی یقیناً اُنکی تابعداری کی دوَڑ دھوپ میں لگا رہے گا۔

یقیناً کئی دفعہ انسانی قوانین خُدا کی شریعت سے متصادم ہوتے ہیں۔ایسے حالات میں مسیحی نہ صرف اِن کی نافرمانی کر سکتے ہیں بلکی بلکہ اُنہیں اُنکی نافرمانی کرنی چاہیے۔یہاں پر میَں اخلاقی مسائل کی نہیں بلکہ روّیوں کی بات کر رہا ہوں۔ضرور ہے کہ مسیحی اس دوَر کے نظریہ کی روح کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔ہم وہ کچھ کرنے کے لیے آزاد نہیں ہیں جو ہماری نظر میں دُرست ہے بلکہ وہ کچھ کرنے کے لیے بلائے گئے ہیں جو ہمارے خُدا کی نظر میں دُرست ہے۔

آزادی کو خود مختاری کیساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔جب تک بُرائی اس دُنیا میں موجود ہے قوانین پر اخلاقی پابندی لازم ہے۔یہ خُدا کے فضل کا وہ کام ہے جس سے وہ حکومت کو مُنظم کرتا ہے جو بدکاروں کو سزا دینے اور معصوُم اور راستبازوں کو محفوظ کرنے کے لیے موجود ہے۔

راستبازاس لیے بلائے گئے ہیں کہ وہ ہر ممکن حد تک انکا ساتھ دیں لیکن خُدا کی تابعداری کیساتھ کوئی سمجھوتانہ کریں۔

خُدا کی فطری میَلان کی مرضی

جب کہ ہم سمجھتے ہیں کہ خُدا کی فیصلہ کن مرضی اور خُدا کی ناصحانہ مرضی اسکی مجموعی مرضی کا حصہ ہیں تو اسکی حاکمیت کے بھید کے دیگر پہلوؤں کا راز باقی رہ جاتا ہے۔اسی طرح کا ایک پہلو ''فطری میَلان'' کی مرضی ہے۔یہ خُدا کی ناصحانہ مرضی کی انسانی نافرمانی کی اہلیت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔

خُدا کی مرضی کا یہ پہلواُن باتوں کی بابت بات کرتا ہے جو خُدا کی خُوشنودی اوراُس کے لیے قابل قبول ہیں۔یہ اپنی مخلوق کی طرف خُدا کے روّیے کی بابت کچھ باتوں کو ظاہر کرتا ہے۔اس کا تعلق ایسی باتوں سے ہے جو اُسکو خُوش کرتی اوراُسے غمگیں کرتی ہیں۔بعض چیزیں ''اُس کی نظر میں'' خُوش آئند ہو سکتی ہیں اور دیگر چیزیں اُسے غمزدہ کر سکتی ہیں۔وہ بُری چیزوں کے وقوع

پذیر ہونے کی اِجازت دے سکتا ہے (لیکن اخلاقی اِجازت کے ذریعے نہیں) لیکن وہ کبھی بھی اِن سے خُوش نہیں ہوتا۔

یہ واضح کرنے کے لیے کہ خُدا کی مرضی کے یہ مختلف پہلوُ بائبل کی تفسیر میں کس طرح کردار ادا کرتے ہیں۔ آیئے بائبل کی اس آیت کا مطالعہ کرتے ہیں جو کہتی ہے "اس لیے کہ خُدا کسی کی ہلاکت نہیں چاہتا" (2 پطرس 3 باب 9 آیت)۔ مرضی کے مندرجہ بالا معنوں میں سے کونسا معنی اس آیت پر صادق آتا ہے؟ کس طرح متن کے مفہوم کے معنی اطلاق کی باریکیوں سے بدل جاتے ہیں؟

پہلے خُدا کی فیصلہ کن مرضی کا اطلاق اس آیت پر کریں تو معنی یوں نکلیں گے کہ "خُدا اپنی فیصلہ کن مرضی کے لحاظ سے کسی کی ہلاکت نہیں چاہتا۔" اس کا اطلاق پھر یوں ہو گا کہ کوئی ہلاک نہیں ہو گا۔ یہ آیت نظریہ نجاتِ کلٗ کے حامیوں کے لیے ثبوت کے طور پر استعمال ہو گی کہ جہنم لوگوں سے بالکل خالی رہے گی۔

دوسرا انتخاب یہ ہو گا کہ خُدا کی ناصحانہ مرضی کے لحاظ سے خُدا کی مرضی نہیں ہے کہ کوئی ہلاک ہو۔ اسکا مطلب یہ ہو گا کہ خُدا اخلاقی لحاظ سے لوگوں کو ہلاک ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ یقیناً عبارت کے سیاق وسباق کے لحاظ سے یہ بات بھی موزوں نظر نہیں آتی۔

تیسری بات سمجھ میں آتی ہے۔ خُدااِس لحاظ سے نہیں چاہتا ہے یعنی وہ باطنی طور پر اس بات سے خُوش نہیں یالوگوں کو ہلاک کر کے اُسے خُوشی نہیں ملتی ہے۔ دوسری جگہ پاک نوشتے سکھاتے ہیں کہ بدکار کی ہلاکت میں خُدا کی خُوشی نہیں ہے۔ وہ ایسافرمان جاری کر سکتا ہے جس سے وہ خُوش نہیں ہوتا۔ وہ غصہ دِلانے والے بدکاروں کا انصاف کر سکتاہے۔ اگرچہ خُدا سزا دے کر شخصی طور پر خُوش نہیں ہوتا تو بھی جب انصاف ہوتا ہے اور راستباز عزت پاتا ہے تو وہ خُوش ہوتا ہے۔

ہماری انسانی عدالتوں میں اسکی مثال دیکھی جاسکتی ہے کہ ہو سکتا ہے ایک جج انصاف کے لیے کسی مجرم کو سزاسنائے اور بیک وقت وہ اسکے لیے پریشان بھی ہو۔ ہو سکتا ہے اُسکا جھکاؤ اُس شخص کی طرف ہو لیکن جُرم کے خلاف ہو گا۔

اگرچہ خُدا کسی بھی طرح سے انسانی جج نہیں ہے جو کسی عدالتی نظام کے ماتحت رہ کر کام کرتاہے۔ خُدا قادر مطلق ہے اور وہ اپنی خُوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتاہے۔ اگر وہ کسی کی ہلاکت سے خُوش نہیں تو وہ اپنی فیصلہ کن مرضی کا استعمال کیوں نہیں کرتا؟ اُسکی فیصلہ کن مرضی اور اُسکی ناصحانہ مرضی میں یہ خلا کیسے ہو سکتا ہے؟

تمام چیزوں کے مساوی ہونے کی صورت میں خُدا چاہتا ہے کہ کوئی ہلاک نہ ہو لیکن تمام چیزیں مساوی نہیں ہیں۔ گناہ ایک حقیقت ہے۔ گناہ خُدا کی قدوسیت اور راستی کی تضحیک کرتا ہے۔ خُدا یہ بھی نہیں چاہتا کہ گناہ بے سزا رہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اُسکی قدوسیت مقدّم ٹھہرے۔ یہ کہنا خطرناک ہے کہ خُدا کی ذات میں مفادات کا ٹکراؤ یا خواہشات کا تصادم پایا جاتا ہے۔ لیکن ایک خاص معنوں میں یہ تصادم ہمارے اندر ضرور موجود ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے تابعداری چاہتا ہے۔ وہ اپنی مخلوق کی بھلائی کا خواہاں ہے۔ اب بھلائی اور فرمانبرداری کے درمیان تعلق میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ فرمانبردار بچہ کبھی ہلاک نہیں ہو گا۔ جو اسکی ناصحانہ مرضی کی تابعداری کرتے ہیں وہ اسکی فطری میلان کی مرضی کی برکات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جب اسکی ناصحانہ مرضی کی پامالی ہوتی ہے تو پھر چیزیں ایک جیسی نہیں رہتیں۔ پھر خُدا عدالت طلب کرتا ہے اگرچہ وہ عدالت کے عمل سے خُوش نہیں ہوتا۔

پھر بھی کیا یہ حتمی سوال کا مطالبہ نہیں کرتا؟ کہ اس سب کچھ میں خُدا کی فیصلہ کن مرضی کی جگہ کہاں پہ ہے؟ کیا خُدا اپنی مرضی کے تمام عناصر ناصحانہ مرضی، فیصلہ کن مرضی اور فطری رجحان کی مرضی میں ابدی ہم آہنگی کو یقینی بناتے ہوئے یہ حکم نہیں دے سکتا تھا کہ کوئی شخص کبھی بھی گناہ کرنے کے قابل ہی نہ ہو؟

اکثراس سوال کا جواب سطحی سا ہوتا ہے۔ ایسی مشکل صورت حال کو سُلجھانے کے لیے انسان کی آزاد مرضی کو بیچ میں لایا جاتا ہے کہ جیسے اسکی طلسماتی طاقت سے یہ گتھی سلجھ جائے گی۔ ہمیں سکھایا جاتا ہے کہ اس کائنات کو معصوم رکھنے کے لیے ایک ہی طریقہ تھا کہ خُدا انسان کو آزاد مرضی نہ دیتا۔ پھر یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ اگراس میں گناہ کرنے کی قابلیت نہ ہوتی تو یہ خلقت صرف پتلیوں کے سوا کچھ نہ ہوتی اوراس میں انسانی خصوصیات نہ ہوتیں۔ اگرایسا ہے تو پھر یہ ہماری آسمانی حالت کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ ہمارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے کہ جب ہماری نجات مکمل ہو جائے گی پھر گناہ باقی نہیں رہے گا۔ ہمارے پاس چناؤ کی قابلیت ہو گی لیکن ہماری رغبت راستبازی کی طرف یوں ہو گی کہ ہم برائی کا چناؤ ہی نہیں کریں گے۔ اگر آسمان پر نجات کے بعد یہ ممکن ہو گا تو انسان کے گرنے سے پہلے کیوں ممکن نہیں تھا؟

بائبل اس چبھتے ہوئے سوال کا کوئی صاف جواب نہیں دیتی۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ خُدا نے انسان کو ایسے بنایا کہ اس کے اندر اچھائی یا برائی یعنی گناہ کرنے کی اہلیت تھی۔ ہمیں کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خُدا کے کردار میں تغیر کا کوئی سایہ نہیں ہے اور اِسکے سارے کام راستی سے ملبس ہیں۔ اور یہ بھی کہ انسان کو خلق کرنے کا جو طریقہ اس نے چنا وہ عجیب تھا۔ لیکن ضرور ہے کہ ہم اُس کے دیئے گئے اُس علم کو قبول کریں کہ اسکا منصوبہ اچھا تھا۔ ہمارے اور اسکے

احکام میں جو کشمکش پیدا ہوتی ہے اور اسکی خواہش ہے کہ ہم اسکی فرمانبرداری کریں۔اور اُسکے حکم کی فرمانبرداری کرنے میں ہماری ناکامی اسکی حاکمیت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

خُدا کی پوشیدہ اور آشکارہ مرضی

ہم نے پہلے ہی خُدا کی مرضی کی تین اقسام یعنی خُدا کی فیصلہ کن مرضی، خُدا کی ناصحانہ مرضی اور خُدا کی فطری میلان کی مرضی میں امتیاز کر لیا ہے۔ایک اور امتیاز ضروری ہے اور وہ ہے خُدا کی پوشیدہ مرضی اور اسکی منکشف مرضی۔ خُدا کی پوشیدہ مرضی خُدا کی فیصلہ کن مرضی میں شامل ہوتی ہے کیونکہ یہ زیادہ تر ہم سے پوشیدہ رہتی ہے۔ خُدا نے ایک حد تک اپنے آپکو ہم پر ظاہر کیا ہے۔ ہم خُدا کی فیصلہ کن مرضی کے بارے کچھ خاص خاص باتیں جانتے ہیں جو اس نے اپنے کلام میں ظاہر کی ہیں۔ لیکن فانی مخلوق ہونے کے ناطے ہم اسکی بابت پورے علم اور اسکے الٰہی منصوبے کا مکمل اِدراک نہیں رکھ سکتے۔ جیسا کہ خُدا کا کلام سکھاتا ہے کہ ''غیب کا مالک تو خُداوند ہمارا خُدا ہی ہے پر جو باتیں ظاہر کی گئی ہیں وہ ہمیشہ تک ہمارے اور ہماری اولاد کے لیے ہیں تاکہ ہم اسکی شریعت کی باتوں پر عمل کریں'' (استثناہ 29 باب 29 آیت)۔

پروٹسٹنٹ علمائے الٰہی اکثر ''مخفی خُدا''(deus obsconditus)اور ''منکشف خُدا''(deus revelatus)کے درمیان امتیاز کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔یہ امتیاز قابل قدر ہےاور جب ہم اس بات کو جانتے ہیں کہ جو کچھ خُدا کی بابت جانا جاسکتا ہے وہ سب ہم پر ظاہر نہیں کیا گیا تو یہ امتیاز اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ایک طرح سے خُدا ہم سے پوشیدہ رہتا ہے۔وہ اپنی بابت سارا علم ظاہر کرنے سے خُوش نہیں ہے۔اس امتیاز میں ایک خوف ناک بات یہ ہے کہ کہیں بعض لوگ اس بات میں دو قسم کے خُداؤں کی کشمکش میں نہ پڑ جائیں۔ایک ایسا خُدا جس نے اپنے کردار کو ایک الگ طرح سے ظاہر کیا لیکن پوشیدہ طور پر وہ ظاہر کیے گئے کردار کے برعکس ہے۔یہ بہت بڑی ریاکاری ہو گی۔

اگر ہم کہتے ہیں کہ خُدا کی کوئی پوشیدہ مرضی نہیں ہے اور وہ اپنے حکم کے مطابق جس چیز کا قصد کر لیتا ہے کر کے رہتا ہے۔تو پھر ہم خُدا کو ایک ایسے شخص کی طرح سمجھیں گے جس کی خواہشات اور منصوبوں کی راہ میں مسلسل انسانی مزاحمت حائل ہے۔ایسا خُدا نہایت کمزور ہو گا اور یہاں تک کہ وہ خُدا ہے ہی نہیں۔

اگر ہم خُدا کے پوشیدہ اور ظاہر پہلوؤں میں امتیاز کرتے ہیں تو ضرور ہے کہ ہمیں اس کے تمام حصوں کو مجموعی طور پر لینا چاہیے نہ کہ دو متضاد حصوں کے طور پر۔کہنا یہ ہے کہ جو کچھ خُدا

نے اپنی بابت ظاہر کیا ہے وہ ہمارے لیے قابل اعتماد ہے۔ ہمارا علم جزوی ہے لیکن جہاں تک ہے درست ہے۔ جسکا تعلق خُدا کی پوشیدہ مصلحت سے ہے وہ خُدا کے ظاہر کیے گئے کردار سے تضاد نہیں رکھتا۔

خُدا کی پوشیدہ اور آشکارہ مرضی میں امتیاز ایک عملی مسئلے کو جنم دیتا ہے۔ کیا ایک مسیحی کے لیے خُدا کی فیصلہ کن (پوشیدہ) مرضی اور بیک وقت خُدا کی ناصحانہ مرضی میں ترتیب و تناسب رکھنا ممکن ہے کہ نہیں۔

ہمیں اس بات کو تسلیم کرنا چاہیے کہ ایک طرح سے اس بات کا خدشہ موجود رہتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ خُدا کی فیصلہ کن مرضی تھی اور اسکی ٹھہرائی ہوئی مصلحت کے ذریعے سے یسوع مسیح پر مصلوب ہونے کا فتویٰ لگا۔ الٰہی منصوبہ یہ تھا کہ خُدا کے لوگوں کی نجات کو یقینی بنایا جائے۔ جبکہ یہ مقصد اراکینِ عدالت سے چھپا ہوا تھا۔ جب پنطس پیلاطس نے مسیح کو مصلوب ہونے کے لیے حوالہ کر دیا تو پنطس پیلاطس نے خُدا کی ناصحانہ مرضی کے خلاف کام کیا۔ مگر خُدا کی فیصلہ کن مرضی کے مطابق کام کیا۔ خُدانخواستہ کیا اِس میں خُدا کی ناصحانہ مرضی کو رد کیا گیا؟ خُدا کی قدرت کو بڑھانے کی خاطر انسان کے بُرے عمل کے باوجود اور انسانی بُرے عمل کے ذریعے سے الٰہی منصوبے پر کام کرنے سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟

یوُسف کی کہانی پر غور کریں جس کے بھائیوں نے لالچ اور حسد سے اپنے معصوم بھائی کو مصریوں کا غُلام ہونے کے لیے بیچ دیا۔ اپنے بھائیوں سے دوبارہ ملنے اور اپنے بھائیوں کے اِقرار پر یوُسف نے جواب دیا" تم نے تو مجھ سے بدی کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن خُدا نے اسی سے نیکی کا قصد کیا تاکہ بہت سے لوگوں کی جان بچائے چنانچہ آج کے دن ایسا ہی ہو رہا ہے"(پیدائش 50 باب 20 آیت)۔ یہاں پر خُدا کی پیش بینی کا ناقابل فہم جلال نظر آتا ہے۔ خُدا نے یوُسف کی زندگی اور یہودی قوم بچانے کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے انسانی بُرائی کو اِستعمال کیا۔ یوُسف کے بھائی دانستہ جُرم اور بغض کے گناہ کے مجرم تھے۔ خُدا کی ناصحانہ مرضی کو بلاواسطہ طریقہ سے رد کرنے سے انہوں نے اپنے بھائی اور خُدا کے خلاف گناہ کیا۔ لیکن انکے گناہ سے خُدا کی پوشیدہ مصلحت پوری ہوئی۔ اور خُدا نے اس کے وسیلہ سے قوم کو رہائی دی۔

کیا ہوتا اگر یوُسف کے بھائی وفادار ہوتے؟ یوُسف غُلامی میں نہ بیچا جاتا، وہ مصر میں نہ لے جایا جاتا، وہ قید میں نہ ڈالا جاتا جہاں سے وہ خوابوں کی تعبیر کے لیے بلایا گیا۔ کیا ہوتا اگر یوُسف وزیر نہ بنتا؟ تو پھر بھائیوں کی مصر میں رہائش کے لیے کیا تاریخی سبب ہوتا؟ مصر میں یہودیوں کی آبادکاری نہ ہوتی، نہ موسیٰ ہوتا، نہ نبی، نہ مسیح، نہ نجات۔

کیااِس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یوُسف کے بھائیوں کا گناہ اچھائی کا بہروپ تھا؟ بالکل نہیں۔ انکا گناہ گناہ ہی تھا، خُدا کی ناصحانہ مرضی کی صاف خلاف ورزی تھی جس کے لیے اُنکو ذمہ دار ٹھہرایا گیا اور اُنکی عدالت ہوئی اور وہ مجرم ٹھہرے۔ لیکن خُدا نے بُرائی میں سے بھلائی پیدا کی۔ اس سے نہ خُدا کے کِردار میں تضاد ظاہر ہوتا اور نہ اسکے قوانین اور آئین میں۔ بلکہ یہ ہماری توجہ کو اسکی حاکمیت کی بڑی قدرت کیطرف مبذول کرواتی ہے۔

کیا آج اِس دوَر میں ہمارے لیے ممکن ہے کہ خُدا کی ناصحانہ مرضی کی تابعداری کریں اور اسکے باوجود اسکی پوشیدہ مرضی کیساتھ کشمکش میں ہوں؟ بے شک یہ ممکن ہے۔ مثال کے طور پر ہو سکتا ہے کہ خُدا کی مرضی ہو کہ وہ اپنے خلاف گناہ کی وجہ سے کسی دوسری قوم کو امریکہ کی سرزنش کے لیے استعمال کرے۔ ہو سکتا ہے یہ خُدا کے منصوبے میں ہو کہ وہ متحدہ ریاست ہائے امریکہ کے عوام کو روُس کے بڑے حملے کے نیچے لے آئے۔ خُدا کی بعید از قیاس مرضی کی اصطلاح میں عدالت کے مقصد کے لیے خُدا روُس کیساتھ کھڑا ہو لیکن اسکے باوجود امریکی قوم کے سول حکام کی یہ ڈیوٹی رہے گی کہ وہ ہماری حدوُد کی پامالی کیخلاف فاتح قوم کی مزاحمت کرے۔

ہمارے پاس اسرائیل کی تاریخ سے ایک موازنہ موجود ہے۔ جب خُدا نے اپنی قوم اسرائیل کی سرزنش کے لیے بابل کو بطور چھڑی استعمال کیا۔ ایسی صورت حال میں اسرائیل کے

سول حکام کے لیے بالکل صحیح تھا کہ وہ بابلؔ کے حملے کے خلاف کھڑے ہوں۔ایسا کرنے سے اسرائیلی خُدا کی فیصلہ کن مرضی کی خلاف ورزی کے زیر اثر ہوتے۔ حبقوق کی کتاب اپنے لوگوں کی عدالت کے لیے خُدا کے آدمیوں کی بُری رغبت کواستعمال کرنے کے مسائل سے نبرد آزما نظر آتی ہے۔اس سے یہ اشارہ نہیں ملتا کہ خُدا اہلِ بابلؔ کی حمایت کرتا ہے۔خُدا صاف بتاتا ہے کہ اُنکی بھی عدالت ہو گی۔ لیکن پہلے وہ اپنے لوگوں کی تربیت کے لیے انکی بُری رغبت کو استعمال کرے گا۔

اپنی زندگیوں کے لیے خُدا کی مرضی کو جاننا

خُدا کی مرضی کے علم کو حاصل کرنا کوئی تجریدی سائنس نہیں ہے جو عقل کو سہلانے یا کوئی اس قسم کا علم پیدا کرنے کے لیے ہے جس سے غرور پیدا ہو مگر ترقی کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ہر مسیحی کے لیے جواپنے خالق کی خُوشنودی کے لیے زندگی گزارناچاہتاہے خُدا کی مرضی کو جاننا انتہائی اہم ہے۔ خُدا ہماری زندگیوں سے کیا چاہتا ہے یہ جاننا ہمارے لیے بہت عملی بات ہے۔ایک مسیحی پوچھتا ہے میرے آگے بڑھنے کے لیے احکامات کیا ہیں؟ خُدا کی بادشاہی کے

پھیلاؤ میں میرا حصہ کیا ہونا چاہیے؟ خُدا کیا چاہتا ہے کہ میں اپنی زندگی میں کروں؟ یہ ناقابل تصور بات ہے کہ ایک مسیحی اِن سوالوں کا سامنا کیے بغیر بہت دیر زندہ رہ سکے۔

تقریباً پچاس سالوں سے مسیحی ہونے کے ساتھ ساتھ علمِ الٰہی کی تعلیم حاصل کرنا میری پیشہ وارانہ مصروفیت رہی ہے۔ اس دوران خُدا کی مرضی کو جاننے جیسے عملی سوال نے متعدد بار میرے ذہن کو دبایا۔ دو ہفتے گزرے مجھے شک ہوا کہ مَیں اس سوال کی بابت بہت سنجیدہ نہیں ہوں کہ اپنی زندگی کے اس موقع پر مَیں وہ کچھ کر بھی رہا ہوں کہ نہیں جو کچھ خُدا مجھ سے چاہتا ہے۔ یہ سوال اکثر ہم سب کے دلوں میں اُٹھتا ہے۔ یہ سوال جواب کا متمنی ہے۔ اس لیے ہم سب کو اپنے آپ سے یہ سوال ضرور کرنا چاہیے کہ مَیں اپنی زندگی کے لیے خُدا کی مرضی کو کیسے جان سکتا ہوں؟

ہم اپنی زندگیوں کے لیے خُدا کی مرضی کو کیسے جانتے ہیں "ایسا عملی سوال ڈگریوں کے حصول سے حل نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے پاس پہلے سے خُدا کی مرضی کی حسبِ ضرورت سمجھ نہیں ہو گی۔ اس امتیاز کے بغیر جو ہم نے کیا ہے خُدا کی مرضی جاننے کے لیے ہماری کوشش ہمیں اُلجھن اور حیرت میں ڈال دے گی۔ جب ہم خُدا کی مرضی کی تلاش کرتے ہیں تو ہمیں اپنے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ ہم کونسی مرضی کی تلاش کر رہے ہیں؟

اگر ہمارا مدعا اسکی پوشیدہ مرضی کو کُریدنا ہے تو ہم بیوقوفی کے سفر پر چل نکلے ہیں۔ ہم ناممکن کام اور اس چیز کا تعاقب کر رہے ہیں جسکو چھوا بھی نہیں جا سکتا۔ ایسا کام نہ صرف بیوقوفی ہے بلکہ گستاخی ہے۔ یہ بہت حقیقی سوچ ہے کہ خُدا کی پوشیدہ مصلحت کی بابت اسکی پوشیدہ مرضی کو جاننا ہمارا کام نہیں ہے اور یہ ہماری تحقیق کی حدوُد سے بہت پرے ہے۔

کلام مقدس کی صاف اور سادہ تعلیم کی جگہ اپنے خیالات اور قیاس پر مبنی تعلیم دینے والے بے باک علمائے الٰہی نے خُدا کے لوگوں کیساتھ بے حساب برائیاں کی ہیں۔ جن معاملات میں خُدا خاموش ہے ان معاملات میں اسکے ذہن کو کھوجنا خطرناک کام ہے۔ لوتھر نے اسکو یوں بیان کیا: ''ضرور ہے کہ ہم اسکے کلام پر دھیان رکھیں اور اسکی ناقابل فہم مرضی کو چھوڑ دیں کیونکہ ہمیں اسکے کلام سے رہنمائی ملے گی نہ کہ اسکی ناقابل فہم مرضی سے۔''

ایک طرح سے مسیحیوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ روح القدس کی تنویر سے خُدا کی مرضی کو جاننے کی کوشش کریں اور حالات سے اس بات کی تصدیق کریں کہ کیا جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ درست ہے۔ اِسکے باوجود جب ہم الٰہی رہنمائی حاصل کر لیتے ہیں تو ضرور ہے کہ ہم اپنے علم کو خُدا کی ظاہر کردہ مرضی کے تابع کریں۔ ہماری تحقیق میں ہمیں انسان کی مرضی بمقابلہ رضائے الٰہی کے تصور سے پیدا ہونے والے تناؤ کو بھی سمجھنا چاہیے۔ شادی اور کاروبار یا

پیشے جیسے عملی معاملات کی بابت تحقیق کرنے سے پہلے ضرور ہے کہ ہم آزاد مرضی اور رضائے الٰہی جیسے اہم معاملات پر غور و خوض کر لیں۔ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ خُدا کی مرضی میں کونسے معاملات شامل ہیں۔ انسان کی مرضی کی بابت کیا ہے؟ یہ دونوں کس طرح ایک دوسری کے ساتھ منسلک ہیں؟ آخر کار انسان آزاد کیسے ہے؟

باب دوم

انسان کی مرضی کا مفہوم

''آزاد مرضی'' کی اِصطلاح کا اطلاق جس طرح سے انسان پر کیا جاتا ہے اکثر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کے معنی کی بالکل سمجھ نہیں یا درست سمجھ نہیں۔انسان کی آزاد مرضی کے بارے میں کوئی متحد نظریہ موجود نہیں ہے۔بلکہ اسکی بابت اُلجھے ہوئے مختلف نظریات موجود ہیں۔

انسان کی آزاد مرضی کا سوال اس حقیقت سے اور اُلجھ جاتا ہے کہ ہمیں اِسکو اِس اِصطلاح میں پرکھنا ضرور ہے کہ آدم کی گراوٹ سے پہلے اور بعد میں یہ کس طرح کام کرتی تھی۔نہایت اہم بات یہ ہے کہ گراوٹ نے کس طرح انسان کے اخلاقی چناؤ کو متاثر کیا۔

آگسٹین نے کلیسیا کے سامنے اس آزادی کی حالت کا جس سے آدم گراوٹ سے پہلے لطف اندوز ہوتا تھا قریب سے موازنہ کیا۔انسانی آزادی کی بابت اُسکا بنیادی نظریہ چار امکانات کو

واضح کرتاہے۔لاطینی زبان میں یہ یوں ہیں۔

1. گناہ کرنے کے قابل(*posse pecarre*)
2. گناہ نہ کرنے کے قابل(*posse non pecarre*)
3. گناہ کرنے کے ناقابل(*non posse pecarre*)
4. گناہ نہ کرنے کے ناقابل(*non posse, non pecarre*)

آگسٹین کہتاہے کہ گراوٹ سے پہلے انسان کے پاس گناہ کرنے کی صلاحیت اور گناہ نہ کرنے کی صلاحیت دونوں تھیں۔جبکہ آدم کے اندر بلندی کی وہ حالت یعنی گناہ نہ کرنے کے قابل ہونے کی حالت میں نہیں تھی جس سے خُدا لطف اندوز ہوتاہے۔خُدا کی گناہ نہ کرنے کی صلاحیت کا مطلب یہ نہیں کہ خُدا کے اندر حسبِ منشاکام کرنے کی قدرت نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ خُدا کے اندر گناہ کرنے کی منشا نہیں۔جبکہ گناہ کرنے کی منشاخُدا کے اندر قطعی طور پر پائی ہی نہیں جاتی اس لئے کوئی وجہ ہی نہیں کہ خُدا گناہ کا چناؤ کرے۔

گراوٹ سے پہلے آدم کے پاس خُدا جیسی اخلاقی کاملیت نہیں تھی۔ بلکہ نہ ہی وہ گناہ نہ کرنے کے ناقابل تھا۔ باغ میں دورانِ نگرانی باغ عدن میں آدم کی حالت یہ تھی کہ اگر وہ چاہتا تو گناہ کر بھی سکتا تھااور نہیں بھی کر سکتا تھا۔اُس نے گناہ کرنے کی صلاحیت کو استعمال کیااور نسل انسانی کو تباہی میں غرق کر دیا۔

نتیجتاً آدم کا پہلا گناہ اسکی ساری نسل میں منتقل ہو گیا۔ یہ موروثی گناہ پہلے گناہ کی طرف نہیں بلکہ پہلے گناہ کے نتیجہ میں کئی گئی خُدا کی عدالت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پہلے گناہ کی بدولت انسانی سرشت اخلاقی بگاڑ کی حالت میں آ گئی جو کہ بذاتِ خوُد کسی حد تک خُدا کی عدالت ہے۔جب ہم موروثی گناہ کی بات کرتے ہیں تو ہم انسانی بگڑی ہوئی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو کہ نسلِ انسانی پر خُدا کی عدالت کا عکس ہے۔

انسان کی برگشتگی

انسانی برگشتگی کی سنجیدگی اور وسعت کی بابت مسیحی حلقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔اسکے باوجود عالمی سطح پہ اس بات کو مانا جاتا ہے کہ انسانیت کے ساتھ معاملہ کرنا گری ہوئی نسل کے

ساتھ معاملہ کرنا ہے۔ آگسٹین کہتا ہے کہ انسان کی گراوٹ کی وسعت یہ ہے کہ اسکی راستبازی کی اصل طاقت چھن گئی۔اب انسان کے پاس گناہ میں نہ گرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ آگے کو انسان کے پاس گناہ نہ کرنے کی قابلیت نہیں رہی۔انسان کی گری ہوئی حالت میں،اس کی حالت زار گناہوں سے باز نہ رہ سکنے کی کیفیت میں پائی جاتی ہے۔ گراوٹ میں جو نا قابل تلافی نقصان ہوا وہ یہ تھا کہ اسکی اخلاقی آزادی چھن گئی۔

آگسٹین کہتا ہے کہ گراوٹ سے پہلے کی حالت میں انسان آزاد مرضی (*liberium arbitrium*)اور اخلاقی آزادی(*libertas*) دونوں سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ گراوٹ کے بعد انسان کے پاس آزاد مرضی تو ہے لیکن اخلاقی آزادی جس سے وہ لطف اندوز ہوتا تھا نہیں رہی۔

شاید برگشتہ انسان کی ''مرضی کی آزادی'' کے سوال کے پُر بصیریت مطالعہ کے لئے جوناتھن کی کتاب ''مشیت کی آزادی''ایڈوارڈز کا ایک عظیم کام ہے۔ایڈوارڈز اور آگسٹین کچھ اصطلاحات پر ایک دوسرے کیساتھ اختلاف رکھتے تھے لیکن انکا بنیادی مفہوم ایک ہی ہے۔ ایڈوارڈز ''آزادی کی فطری صلاحیت''اور ''آزادی کی اخلاقی صلاحیت'' کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔ فطری صلاحیت کا تعلق عمل کی طاقت اور چناؤ سے ہے جو ہم فطری طور پر رکھتے ہیں۔

انسان کی فطری صلاحیت میں سوچنا، چلنا، بولنا، کھاناوغیرہ شامل ہے۔انسان میں اڑنے، مچھلیوں کی طرح پانی میں رہنے یا بعض جانوروں کی طرح کھانے کے بغیر مہینوں بے حس و حرکت پڑے رہنے کی فطری صلاحیت نہیں پائی جاتی۔ ہم اُڑنے کی خواہش تو کر سکتے ہیں لیکن ہمارے پاس وہ فطری اعضا نہیں ہیں جواِس خواہش کو پورا کریں۔ ہماری آزادی میں بعض جبّلی حدوُد ہیں جن کا تعلق ہماری فطری لیاقت کی حدود کے ساتھ ہے۔

انتخاب کرنے کے حوالے سے ابھی برگشتہ انسان کے پاس اخلاقی چناؤ کی فطری صلاحیت اور فطری لیاقت موجود ہے۔انسان ابھی تک سوچ سکتا ہے، محسوس کر سکتا اور خواہش کر سکتا ہے۔ چناؤ کے لیے تمام ضروری باتیں انسان میں ابھی تک باقی ہیں۔ جس چیز کی برگشتہ انسان میں کمی ہے وہ اخلاقی میَلان، خواہش یا راستبازی کی طرف فطری جھکاؤ ہے۔

سیدھے سادے الفاظ میں یہ کہ انسان ابھی تک جس چیز کو چاہتا ہے اسکا چناؤ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اُس میں حقیقی راستبازی کے لیے خواہش کی کمی ہے۔ وہ فطری طور پر آزاد ہے لیکن اخلاقی طور پر اپنی بگڑی ہوئی اور گنہگار خواہش کا غلام ہے۔ ایڈوڈز اور آگسٹین دونوں کہتے ہیں کہ انسان ابھی تک چناؤ کے لیے آزاد ہے لیکن اگر اسکو اسکی مرضی پہ چھوڑا جائے تو وہ راستبازی کا چناؤ نہیں کریگا کیونکہ اسکے اندر یہ خواہش ہی نہیں ہے۔

ایڈورڈزاِس سوال کو ایک قدم آگے لئے جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کے پاس صرف صلاحیت ہی نہیں بلکہ اس کی خواہش کے مطابق چناؤ کی ضرورت بھی شامل ہے۔ ہم نہ صرف حسبِ مرضی چناؤ کر سکتے ہیں بلکہ ہم حسبِ مرضی ضرور چناؤ کرتے ہیں۔اس نقطہ پر یہ احتجاج ہوتا ہے کہ کیاآزادانتخاب ایک فریبِ نظر ہے ؟اگر ہم وہ کچھ چنتے ہیں جسکا چناؤ کرنا ہمیں ضرور ہے تو ایسا چناؤ آزاد چناؤ کیسے ہو گا؟ اگر جو کچھ چاہتے ہیں وہ چُننے کے لیے آزاد ہیں اور چاہت صرف بُرائی کی کرتے ہیں تو ہماری مرضی آزاد کیسے ہوئی؟ آگسٹین بجا طور پر آزاد مرضی اور آزادی میں امتیاز کرتا ہے۔اور کہتا ہے کہ گرے ہوئے انسان کے پاس ابھی تک آزاد مرضی تو ہے لیکن اپنی آزادی کھو چکا ہے۔ اسی لیے ایڈورڈز کہتا ہے کہ ہمارے پاس فطری آزادی تو ہے لیکن ہم اپنی اخلاقی آزادی کھو چکے ہیں۔

اگر ہم صرف گناہ کا ہی چناؤ کر سکتے ہیں تو آزادی کی بات کیوں کی جاتی ہے ؟ مسئلے کی بڑی مشکل چناؤاور خواہش کے درمیان تعلق یا فطری میلان میں پائی جاتی ہے۔ایڈورڈز کا مقالہ یہ ہے کہ ہم ہمیشہ لمحہِ مزاج کے شدید جبّلی میَلان یا فطری میَلان کے تحت چناؤ کرتے ہیں۔ پھر وہی بات کہ نہ صرف ہم اپنی شدید خواہش کے مطابق چناؤ کر سکتے ہیں بلکہ ہم اپنی شدید خواہش کے

مطابق ضرور چناؤ کرتے ہیں۔ یہ آزادی کا جوہر ہے کہ مَیں جب چاہوں جسکا چاہوں چناؤ کرنے کے قابل ہوں۔

اگر مجھے کچھ کرنا ضرور ہے پھر ایک طرح سے میرے عمل کا تعین کیا گیا ہے۔ اور اگر میرے عمل کا تعین کیا گیا ہے تو مَیں آزاد کیسے ہوا؟ اس مشکل سوال کا بنیادی جواب یہ ہے کہ میرے چناؤ کے متعین ہونے کا منبع مَیں خود ہوں۔ آزادی کا جوہر ہمارا اپنا عزمِ مصمم ہے۔ جب میرے چناؤ کا تعین بیرونی دباؤ کی وجہ سے ہوتا ہے تب میری آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ اپنے عزمِ مصمم کے فن سے اپنی مرضی کے مطابق چناؤ کے قابل ہونا آزاد مرضی کو ختم نہیں کرتا بلکہ اسکو قائم کرتا ہے۔

چناؤ خواہشات سے جنم لیتا ہے

شدید خواہش یا وقتی فطری رغبت کے مطابق چناؤ کرنے کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ میرے چناؤ کی کوئی وجہ ہے۔ ایک نقطہ پہ ایڈ وڈز مرضی کو "ذہن کے چناؤ" کے طور پر بیان کرتا ہے۔ بنیادی چناؤ ایک اثر یا نتیجہ ہے جو پیش رفتہ یا گزشتہ وجہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور وجہ خواہش یا

رغبت میں پائی جاتی ہے۔اگر تمام اثرات کی وجوہات ہیں تو پھر تمام چناؤ کی بھی اسی طرح وجوہات ہیں۔اگر وجہ مجھ سے الگ ہے تو پھر مَیں جبر کا شکار ہوں۔اگر وجہ میرے اپنے اندر سے ہے تو پھر میرا چناؤ میرے اپنے اندر سے خود کا متعین کردہ اور آزاد ہے۔

ایڈورڈز کے مقالے کی بابت سوچیں کہ ہم ہمیشہ اپنے شدید وقتی فطری میلان یا خواہش سے چناؤ کرتے ہیں۔ذرا سوچیں اگر سارے دن کے کام میں آپ کا چناؤ بہت بے ضرر ہو۔شاید آپ کسی گروپ کی کسی میٹنگ میں شامل ہوں اور پیچھے کی طرف بائیں طرف کی تیسری کرسی پر کمرے کے سامنے بیٹھنا چاہیں۔آپ نے کیوں یہاں بیٹھنے کا چناؤ کیا؟ غالب امکان ہے کہ جب آپ مکان کے اندر داخل ہوں تو آپ اپنی نشست کی ترجیح کے لیے موازنہ کرنے میں مصروف نہ ہوں۔نہ آپ اچھی نشست کے چناؤ کے لیے کوئی چارٹ بنائیں۔آپکا فیصلہ عموماً فوری ہوتا ہے جو ظاہری حالت کو مد نظر رکھ کر بے ساختگی سے ہوتا ہے اور کوئی باقائدہ جانچ پڑتال نہیں ہو تی۔کیا اسکا یہ مطلب ہے کہ آپکے چناؤ کی کوئی وجہ نہیں ہے؟ ہو سکتا ہے جہاں پر آپ بیٹھے ہیں اس لیے بیٹھے ہوں کہ آپکو ایسی میٹنگ میں کمرے کی بائیں طرف بیٹھنا زیادہ آرام دہ لگا۔ہو سکتا ہے آپ یہاں اس لیے بیٹھے کہ یہ کسی دوست کے قریب تھی یا ہو سکتا ہے یہاں سے باہر نکلنا آسان تھا۔ایسی صورتِ حال میں ذہن بہت سارے حقائق کا اتنی جلدی سے موازنہ کرتا ہے کہ

ہم اپنے ردِ عمل کے بارے سوچنے پہ مائل ہو جاتے ہیں کہ یہ غیر ارادی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اندر کوئی ایسی چیز ہے جس نے خاص نشست پہ بیٹھنے کے لیے آپکی خواہش کو متحرک کیا۔ نہیں تو آپکا چناؤ ایک بے وجہ عمل ہوتا۔

شاید آپکا نشست کا انتخاب آپکے اختیار سے باہر کسی بیرونی دباؤ کے تحت ہو۔ ہو سکتا ہے جس نشست کا آپ نے چناؤ کیا اسکی وجہ یہ تھی کہ کمرے میں صرف وہی نشست خالی تھی اس لئے آپکے پاس کوئی اور انتخاب ہی نہیں تھا۔ کیا یہ پورے طور پر سچ ہے؟ کمرے میں پچھلی طرف کھڑے ہونے کا انتخاب ابھی باقی تھا۔ یا اِس میٹنگ کو چھوڑ دینے کا انتخاب بھی ہو سکتا تھا۔ آپ نے اِس اکلوتی دستیاب نشست پر بیٹھنے کا اِنتخاب کیا کیونکہ آپکی بیٹھنے کی خواہش کھڑے ہونے کی خواہش سے اور میٹنگ میں حاضر رہنے کی خواہش میٹنگ کو چھوڑ دینے کی خواہش سے زیادہ مضبوط تھی۔

ایک اور عجیب سی مثال پر غور کریں۔ فرض کریں آپ میٹنگ سے گھر جا رہے ہیں آپکا سامنا ایک ڈاکو سے ہوتا ہے وہ آپکے سر پہ پستول تان کر کہتا ہے "پیسے دو گے یا مرو گے" آپ کیا کریں گے؟ اگر آپ اسکے مطالبے کو مان لیتے ہیں اور اپنا بٹوہ اسکے حوالے کر دیتے ہیں تو آپ جبر کے شکار ہوئے ہیں اور اگر ایک طرح سے دیکھیں تو آپ نے آزاد چناؤ کا اظہار کیا ہے۔ جبر

اِس حقیقت کے جوہر سے داخل ہوتا ہے۔ کیونکہ مسلح آدمی نے آپکے چناؤ کو دو تک محدود کر دیا۔ آزادی کا محفوظ عنصر اس حقیقت سے پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے پاس دو انتخاب ہیں اور کہ آپ ایک کا چناؤ کرتے ہیں جس کے لیے آپکی خواہش اس لمحے زیادہ طاقتور تھی۔

اگر تمام چیزیں مساوی ہیں تو آپ میں یہ خواہش نہیں ہے کہ آپ اپنی دولت کسی چور کے حوالہ کر دیں جو اسکا حقدار نہیں ہے۔ آپ کے اندر اِس سے بھی کم خواہش ہے کہ مسلح شخص کی گولی آپ کے دماغ کو اُڑا دے اور آپکا دماغ سڑک کی ایک طرف پڑا ہو۔ جب آپ کے پاس بالکل تھوڑے انتخاب ہوں تب آپ اپنی طاقتور ترین خواہش کے مطابق چناؤ کرتے ہیں۔ ہم ہمیشہ وہ کرتے ہیں جو ہم حقیقت میں کرنا چاہتے ہیں۔

بائبل سکھاتی ہے کہ کچھ لوگ کہیں گے کہ ہم ہمیشہ وہ کچھ نہیں کرتے جو ہم کرنا چاہتے ہیں۔ پولُس رسول رومیوں 7 باب میں نوحہ کرتا ہے کہ جس نیکی کا وہ اِرادہ کرتا ہے نہیں کرتا مگر جس بدی کا اِرادہ نہیں کرتا اسے کرلیتا ہے۔ پولُس کی اپنی حالت کی بدبختی پر جھنجھلاہٹ ایڈوڈز کے مقالے ''چناؤ اور خواہش میں تعلق'' کی مکمل طور پر تردید کرتی نظر آتی ہے۔ پولُس چناؤ اور خواہش کے تعلق پر موازنہ کرتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ وہ ایک کشمکش کا اظہار کر رہا تھا جو اس خواہش کے مرکز میں ہے اور انسانی مرضی پر شدید حملہ کرتی ہے۔

ہم بہت ساری خواہشات لے کر پیدا ہوئے ہیں جن میں سے بہت ساری ایک دوسری کیساتھ شدید مخالفت رکھتی ہیں۔ پھر سے اگر ''تمام چیزیں مساوی ہیں'' تو اخلاقی چناؤ کی اپنی سمتوں پر غور کریں۔ بطورِ مسیحی میری بڑی خواہش ہے کہ مَیں اپنی زندگی سے مسیح کو خُوش کروں، راستبازی حاصل کروں۔ خُدا کی فرمانبرداری کی یہ اچھی خواہش نہ تو کامل ہے اور نہ ہی خالص کیونکہ یہ میری گنہگار شخصیت میں ہر روز دوسری خواہشات کیساتھ لڑتی ہے۔ اگر میرے اندر خواہشات کی کشمکش نہ ہوتی تو مَیں نافرمان نہ ہوتا۔ اگر میرے اندر صرف خُدا کی مسلسل فرمانبرداری کی خواہش ہوتی یا اگر میرے اندر یہ طاقتور ترین خواہش ہوتی تو مَیں اسکے خلاف گناہ نہ کرتا۔ لیکن کئی دفعہ میری گناہ کرنے کی خواہش میری فرمانبردار رہنے کی خواہش سے بہت بڑی ہوتی ہے جب ایسا ہوتا ہے تو مَیں گناہ کرتا ہوں۔ جب میری فرمانبرداری کی خواہش گناہ کرنے کی خواہش سے بڑی ہوتی ہے تو میں گناہ سے باز رہتا ہوں۔ میرا چناؤ میری خواہش کے درجہ کی وجہ سے زیادہ واضح اور زیادہ موثر طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

خواہش رغبت کی طرح مستقل نہیں ہے۔ ہماری خواہش کا معیار ہر دن، ہر گھڑی، ہر لمحہ بدلتا رہتا ہے۔ خواہش سمندری لہروں کی طرح اوپر نیچے ہوتی رہتی ہے۔ وہ شخص جو وزن گھٹانے یا کسی اور مقصد کی خاطر کھانے کو محدود کر دیتا ہے وہ دن میں کتنی ہی دفعہ بھوک سے

اٹھنے والے درد کی شدت سے واقف ہوتا ہے۔اس وقت بھوکا رہنے کا عزم کر لینا آسان ہے جب کوئی آسودہ ہو۔اِسی طرح دعا کے روحانی تجربات کے دوران راستباز ہونے کا عزم کر لینا آسان ہے۔ لیکن ہم ایسی مخلوق ہیں جنکا مزاج بدلتا رہتا ہے اور خواہشات عارضی ہوتی ہیں اور ابھی تک ہماری خواہشات نے مستقل ہونے کا وہ مقام حاصل نہیں کیا جو نیکی کی بنا پر مستقل ہوں۔ جتنی دیر خواہشات کی کشمکش موجود ہے اور دل میں گناہ کی رغبت باقی ہے انسان اخلاقی طور پر آزاد نہیں ہے جسکی ایڈوڈز بات کرتا ہے اور نہ ہی اس نے اس آزادی کا تجربہ کیا ہے جسکی آگسٹین بات کرتا ہے۔

چناؤ بطورِ غیر اِرادی عمل

آگسٹین کے آزاد مرضی کے نظریہ کے ساتھ ساتھ ایک کلاسیکل تصور ہے جو عمل یا چناؤ کی سرگرمی کو مکمل طور پر بے ساختہ عمل کے معنوں میں بیان کرتا ہے۔اس نظریہ میں مرضی چناؤ کرتی ہے اور نہ صرف دباؤ کی خارجی قوتوں سے آزاد ہے بلکہ اندرونی فطری میَلان کی حکمرانی سے بھی آزاد ہے۔ وقتی چناؤ آزادی سے سرگرم عمل ہوتا ہے یہاں تک کہ نہ طبعی میَلان یا

سابقہ فطری رجحان اسکو روکتا یا ہدایت جاری کرتا ہے اور نہ ہی اسکے چناؤ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ مغربی ثقافت میں آزاد مرضی کا سب سے نمایاں نظریہ ہے اور یہی وہ نظریہ ہے جو کیلوِن کے ذہن میں بھی تھا جب اس نے کہا "کہ انسان پر اطلاق کرنے کے لیے آزاد مرضی بہت شاندار اصطلاح ہے۔" بنیادی طور اسکا اطلاق کیا جاتا ہے کہ انسان ایسا چناؤ کر سکتا ہے جو کسی سبب کے بغیر کوئی عمل کر سکتا ہے۔ یہاں یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ اثرات مرتب کرنے کے لئے انسان کی طاقت خُدائے قادر مطلق کی تخلیقی طاقت سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس کے علاوہ علت و ملول کا بڑا اصول کہ نیست سے نیست ہی جنم لیتا ہے (*ex nihilo nihil fit*) ٹوٹ جاتا ہے۔ آزادی کا اس طرح کا اصول نہ صرف پاک نوشتوں بلکہ سبب یا وجہ کے لیے بھی خلافِ قیاس ہے۔

آزادی کو کسی سابقہ فطری مَیلان کے بغیر بالکل غیر اِرادی چناؤ سمجھ لینا اخلاقی اہمیت کی آزادی پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ اگر مَیں راستبازی کے لیے یا راستبازی کے خلاف کسی محرک یا رغبت کے بغیر کام کرتا ہوں تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ میرا فعل کسی بھی طرح سے اِخلاقی ہے۔ ایسی سرگرمی کسی محرک یا سبب کے بغیر ہوگی۔ یہ مکمل طور پر بے قاعدہ عمل ہوگا۔

بحر حال ایک عمیق سوال باقی ہے۔ کیا اس طرح کا غیر ارادی فعل ممکن ہے؟ اگر مرضی دائیں یا بائیں کسی طرف مائل نہیں ہے تو یہ چناؤ کس طرح کر سکتی ہے؟ اگر کسی طرف یا کسی کے خلاف کوئی فطری میَلان ہی نہیں ہے تو پھر مرضی اور عمل مکمل مفلوج ہو گا۔ یہ اس گدھے کی مانند ہو گا جس کے سامنے گھاس کا گٹھا اور جئی کے دانوں کی ٹوکری رکھی ہو۔اور گدھے کی خواہش گھاس یا جئی کے دانوں دونوں کی طرف برابر تھی یعنی یہ نہیں کہ ترجیح کی تھوڑی سی مقدار اِدھر کم یا اُدھر زیادہ تھی۔ کہانی بتاتی ہے کہ گدھا کھانے کی اس ضیافت میں بھوک سے مرنے کے قریب ہو گیا کیونکہ اس کے پاس چناؤ کا کوئی طریقہ نہیں تھا کہ ان دونوں میں سے کس کا چناؤ کرے۔

آزادی کے ''کلاسیکی نظریہ'' کیساتھ ایک عملی مسئلہ ہے جو کرداری نفسیات کی طرف سے اُٹھایا جاتا ہے۔ اگر انسان واقعی خود مختار یا آزاد ہوتا تو کیا اِس بات کا مطلب یہ نہیں کہ اگر اُسکی خواہشات پورے طور پر معلوم ہو جائیں تو اُس کے عمل کی ہر ممکنہ صورتِ حال میں مکمل پیش گوئی کی جا سکے گی؟ ایک فہم یہ ہے جس سے ہم اتفاق کرتے ہیں کہ صراحت کے ساتھ ایسی پیشگوئی کرنا ممکن ہے۔ تاہم خُدا کی ہمدانی کے علاوہ کوئی ایسا طریقہ نہیں جس سے ہم انسان کے

ذہن میں پائے جانے والے ان پیچیدہ عوامل کو جان سکیں جو انتخاب کا موازنہ کرتے ہیں،اسکے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔

ماہرین نفسیات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کئی لحاظ سے ترجیحات اور رغبتیں، تجربات اور ماحول سے تشکیل پاتی ہیں لیکن ہم یقین سے کوئی پیشگوئی نہیں کر سکتے کہ کوئی انسان کیا کرے گا۔انسانی شخصیت کے تغیر پذیر پوشیدہ عوامل کیوجہ سے اسکی بابت کوئی پیشگوئی کرنا نا ممکن ہے۔ تاہم یہ حقیقت برقرار رہتی ہے کہ ہمیشہ ہمارے عمل کا کوئی سبب اور چناؤ کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ اس وجہ کا کچھ حصہ ہمارے اپنے اندر سے اور کچھ حصہ ہمارے اِرد گرد اور بالمقابل قوتوں سے پھوٹتا ہے جو ہمارے اعمال کا تعین کرتا ہے۔

آزادی کی تعریف

آزادی کی محفوظ ترین تعریف وہی ہے جو آگسٹین جیسے آبائے کلیسیا نے کی ''حسب منشا انتخاب کی صلاحیت'' خُدا کی حاکمیت انسان کے اس پہلو کا خاتمہ نہیں کرتی بلکہ یقینی طور پر اس پہ حکمرانی کرتی ہے۔

نظریہ جبریت کی بے لچک شکل سے نااُمیدی کی گونج سنائی دیتی ہے "اگر شخصیت کو تعمیر کرنے والے پیچیدہ عوامل میرے انتخاب کا تعین کرتے ہیں تو پھر خود اصلاحی یا راستبازی کی تلاش کی کیا اہمیت ہے؟ اگر میری مرضی میلانات اور خواہشات کی غلام ہے تو پھر مجھے کیا امید ہے کہ میَں گناہ سے باہر نکلوں؟ اور یہ حقیقت میرے موجودہ طرزِ عمل کے لیے تباہ کن ہے۔

حقیقت میں تقدیس کے عمل میں باطن کی بنیادی منصوبہ بندی شامل ہے۔ ہم اندھی مشینی طاقتوں کے ظلم کے شکار نہیں ہیں جو ہماری منزل کا تعین کرتی ہیں۔ ذہین مخلوق ہونے کے ناطے سے ہم اپنے دل کی رغبت اور ذہن کے میلان کو تبدیل کرنے کے لیے کچھ سکتے ہیں۔

یہ یاد رکھنا بہت اہم ہے کہ خواہش جامد اور اٹل طاقت نہیں ہے جو ہماری روح کو مارتی ہے۔ ہماری خواہشیں لمحہ بہ لمحہ بدلتی رہتی ہیں۔ جب بائبل ہمیں کہتی ہے کہ نئی انسانیت کو مضبوط کرو اور پرانی انسانیت کو مارو تو مزاج کے اُتار چڑھاؤ کا فائدہ اٹھا کر ہم اس فرمان کو پورا کر سکتے ہیں تاکہ جب ہماری خواہش مسیح کے لیے سر گرم ہو، ہم نئی انسانیت کو مضبوط کریں اور پرانی انسانیت کی خواہشات کو سیری کے وقت بھوکا رکھنے سے ماریں۔ گناہ کے کام کرنے کے نظام کو سمجھنے کے لیے ضرور ہے کہ ہم اس لمحے کی بابت جانیں جب گناہ سرزد ہوا۔ میرے اندر خُدا کو خُوش کرنے کی خواہش کی نسبت گناہ کرنے کی زیادہ خواہش موجود ہے۔ ایک اور طرح سے بیان

کرتا ہوں، گناہ کے لیے میری محبت اس لمحے زیادہ تھی جس لمحے میَں نے خُدا کی فرمانبرداری کی خواہش کی۔ لہٰذا سادہ سا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمارے اندر پائی جانے والی گناہ کی قوت پر غالب آنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ یا تو گناہ کی خواہش کو کم کیا جائے یا خُدا کی فرمانبرداری کرنے کی خواہش کو بڑھایا جائے۔

ہم اس طرح کی تبدیلیوں پر اثر انداز ہونے کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟ ہم اپنے آپ کو کسی جماعت یا استاد کے حوالے کر سکتے ہیں کہ وہ ہماری تربیت کریں اور اپنے آپ کو اس بات کے لیے مخصوص کر سکتے ہیں کہ خُدا کی شریعت کا زیادہ مطالعہ کریں۔ اس طرح کا پُر مشقت مطالعہ ہمارے ذہن کی تجدید کرے گا اور ہمیں ایک نئی تفہیم سے آراستہ کریگا کہ کونسی بات خُدا کو خُوش کرتی ہے اور کونسی ناخُوش۔ تجدیدِ شدہ ذہن کی ترقی روحانی تبدیلی کی بائبلی تعریف ہے۔

جیسا ایڈورڈز بیان کرتا ہے کہ ذہن اور مرضی کا آپس میں تعلق ہے۔ اس بات کو مزید گہرائی سے سمجھنا کہ ہمارا گناہ خُدا کے لیے کیوں اتنا مکروہ ہے گناہ کے لیے ہماری سوچ اور رویے کو تبدیل کر سکتا ہے۔ ہمیں اپنی توجہ اس بات پر مرکوز کرنے کے لیے کہ کونسی باتیں پاک اور اچھی ہیں بائبل کے فرمانوں کی پیروی کرنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ توقع سے بڑھ کر معلوم ہو کہ ایک انسان گہری حوس کے حملے کے دوران پاک خیالات کی طرف مائل ہو۔ یہ اسکے لیے

مشکل ہو گا کہ فوراً ایک بٹن کو دبائے اور اپنی خواہش کے میلان کو تبدیل کر دے۔ تاہم ہو سکتا ہے کہ اس کوشش سے اسکو اپنے ذہن کے رُخ کو خُدا کی اعلیٰ اور مقدّس باتوں کی طرف موڑنے کا مزید موقع مل جائے۔ آخر کار نتیجہ یہ ہو گا کہ ہو سکتا ہے وہ خُدا کے لیے اپنے دل کے میلان کو کافی مضبوط کر لے اور گناہ کی طرف اپنی گری ہوئی فطرت کے میلان کو کمزور کر دے۔

ہمیں سخت نظریہ جبریت یا نظریہ کردار کی سطحی شکل کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے جسکی وجہ سے ہم تبدیلی کی کسی بھی امید سے مایوس ہوں۔ کلامِ مقدّس ہماری حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ ہم "ڈرتے اور کانپتے ہوئے" اپنی نجات کا کام کیے جائیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ ہم اکیلے نہیں ہیں جو اپنی کوشش سے فضل کے وسائل کا اطلاق کر رہے ہیں بلکہ ضروری تبدیلیوں کے لیے خُدا خود ہمارے اندر کام کر رہا ہے تاکہ ہمیں اپنے بیٹے کی صورت پر ڈھالے (فلپیوں 2 باب 12 تا 13 آیت؛ 1 باب 6 آیت)۔

خُدا کی حاکمیت اور انسان کی آزادی

اگر ہم انسان کی مرضی کو خُدا کی حاکمیت کے تناظر میں دیکھیں تو پھر ہم کیا کہیں گے؟

شاید مسیحی ایمان کا قدیم ترین معمہ خُدا کی حاکمیت اور انسان کی آزادی میں بظاہر پایا جانے والا تضاد ہے۔ اگر ہم انسانی آزادی کی تعریف ''خود ارادیت ''(ان معنوں میں کہ انسان خُدا کی مرضی کے سامنے جواب دہ ہوئے بغیر اور کسی قسم کی رکاوٹ کے بغیر وہ سب کچھ کرنے کے لیے آزاد ہے جس سے اسکو خُوشی ملتی ہے) کریں تو بے شک ہمیں یہ کہناپڑے گا کہ آزاد مرضی خُدا کی حاکمیت کے بر خلاف ہے۔ ہم اس مسئلے کو صرف ایک بھید کہہ کر اسکی سنگینی کو ختم نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس مسئلے کا اعلانیہ سامنا کرنا ہو گا۔ اگر آزاد مرضی کا مطلب بغیر کسی جواب دہی کے خود ارادیت ہے تو پھر خُدا قادر مطلق نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان حسبِ خُوشی وہ سب کچھ کرنے کے لیے مادر پدر آزاد ہے تو پھر کسی قادرِ مطلق خُدا کا وجود نہیں ہے۔ اور اگر خُدا اپنی خُوشی کے مطابق سب کچھ کرنے کے لیے قادِر ہے تو پھر کوئی مخلوق مکمل طور پر خود مختار نہیں ہو سکتی۔

ممکن ہے کہ انسانوں کا بہت بڑا ہجوم ایسا ہو جن میں سے ہر کوئی مختلف درجے تک آزاد ہو لیکن ان میں کوئی بھی مکمل طور پر آزاد نہیں ہو گا۔ اُنکی آزادی کے درجات کا تعین اس طاقت، اختیار اور ذمہ داری کے معیار سے ہوتا ہے جو ہر کسی کے پاس ہے۔ تاہم ہم اس قسم کی کائنات میں نہیں رہ رہے ہیں۔ اس کائنات کا ایک خُدا ہے جو قادرِ مطلق ہے جسکا کہنا ہے وہ مکمل طور پر آزاد ہے۔ میری آزادی کی ہمیشہ کچھ حدوُد ہیں۔ میری آزادی ہمیشہ خُدا کی حاکمیت کے ماتحت

ہے۔ میَں حسبِ خُوشی سب کچھ کرنے کے لیے آزاد ہوں لیکن اگر میری آزادی خُدا کی فیصلہ کن مرضی کے ساتھ ٹکراتی ہے تو پھر اس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے کہ خُدا کا آئین میرے انتخاب پر غالب ہو گا۔

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ مسیحی حلقوں میں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ خُدا کی حاکمیت انسان کی آزاد مرضی کو پامال نہیں کر سکتی اور اسکے پیچھے سوچ یہ ہے کہ خُدا کی فیصلہ کن مرضی کبھی بھی انسانی آزادی کو زیر نہیں کر سکتی۔ ایسی سوچ اگر کُفر کی حد تو پار نہیں کرتی لیکن یہ اس کی عین سرحد پر چلتی ہے کیونکہ اس میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ انسانی آزادی خُدا کی حاکمیت کو جبراً روک سکتی ہے۔ اگر یہ درست ہوتا تو انسان قادرِ مطلق ہوتا نہ کہ خُدا۔ اور انسان کی آزاد مرضی کی طاقت خُدا کو جبراً محدود کر دیتی۔ جیسا میں نے کہا کہ یہاں جو مفہوم ہے وہ گستاخانہ ہے کیونکہ یہ مخلوق کو خالق کے برابر بناتا ہے۔ ایسا سوچنے سے خُدا کا جلال، اسکی شان اور عزت داغدار ہوتی اور اسکا مقام مخلوق کے سامنے ثانوی ہو جاتا ہے۔ بائبل مقدس کے مطابق انسان آزاد ہے لیکن اسکی آزادی خُدا کی حاکمیت کو پامال نہیں کر سکتی۔

میَں اور میرا بیٹا آزاد اخلاقی نمائندے ہیں۔ ایک میرے بیٹے کی مرضی ہے اور ایک میری مرضی ہے۔ جب وہ نابالغ تھا اور میرے گھر میں رہتا تھا۔ کئی دفعہ میری مرضی اسکی مرضی پر

حاوی رہی جبکہ کبھی کبھار ہی اسکی مرضی میری مرضی پر حاوی ہوئی۔ان تعلقات میں میرے پاس زیادہ اختیار اور طاقت تھی۔اور میری آزادی کا دائرہ کار اسکی آزادی کے دائرہ کار سے بہت وسیع تھا۔ لٰہذا خُدا کیساتھ تعلقات میں بھی ہمارا یہی حال ہے۔خُدا کی قوت اور اختیار غیر فانی ہے ۔اُسکی آزادی کی راہ میں انسانی قوتِ ارادی کبھی بھی حائل نہیں ہو سکتی۔خُدا کی حاکمیت اور انسان کی آزاد مرضی کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔وہ لوگ جو اس میں تضاد دیکھتے ہیں یا اُنکو یہ کوئی ناقابل حل مسئلہ نظر آتا ہے اصل میں انہوں نے اس بھید کو غلط سمجھا ہے۔آزاد مرضی کے حوالہ سے اصل بھید یہ ہے کہ گراوٹ سے پہلے آدم نے اِسکو کیسے استعمال کیا۔

آدم کے گناہ پر غور کرنے کے چند موقف

اگر آگسٹین اس بات پہ درست تھا کہ گراوٹ سے پہلے آدم کے اندر گناہ کرنے کی بھی صلاحیت تھی اور گناہ سے باز رہنے کی صلاحیت بھی۔اور یہ کہ جب وہ بنایا گیا اس کے اندر گناہ کی طرف کوئی میلان یا رغبت نہیں تھی۔تو پھر جس سوال کا ہمیں سامنا کرنا پڑے گا وہ یہ ہے کہ "گناہ کی طرف کسی قسم کا کوئی میلان یا رغبت نہ رکھنے والی مخلوق کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ

برائی کی طرف قدم بڑھائے؟" جب ہم اس مسئلے کے ساتھ الجھتے ہیں تو مجھے اجازت دیں کہ میَں چند انتخابات آپ کے سامنے پیش کر سکوں جو ماضی میں وضاحت کے طور پر پیش کیے جا چکے ہیں۔

پہلا نقطہ: ہم یہ مفروضہ قائم کر سکتے ہیں کہ آدم اس لئے گر گیا کیونکہ شیطان نے عیاری سے اِسے دھوکہ دیا

اور وہ اپنے عمل سے واقف نہیں تھا۔ اس مفروضے کے لیے جو چیز ابھارتی ہے وہ یہ ہے کہ بائبل مقدس شیطان کی چالاکی پر بہت زور دیتی ہے۔ شیطان اپنی مکاری سے آدم اور حوا کے خیالات کو اُلجھا کر اُنکو دھوکہ دینے کے قابل تھا۔ اس طرح ہمارے اصلی والدین کی کمزوری اپنی فطرت میں اخلاقی نہیں بلکہ عقل و فہم کی تھی۔ اس لیے کہ وہ سانپ کی چالاکی کو سمجھنے میں ناکام رہے۔ تو جو بات تصویر کو اُلجھا دیتی ہے وہ یہ حقیقت ہے کہ اس مثال میں کلام مقدس مکمل طور پر مخالف کی طرف سے دھوکہ دہی کا بیان نہیں کرتا۔ بلکہ اُنکو پورا علم تھا کہ خُدا نے انہیں کس بات کی اجازت دی ہے اور کس بات کی نہیں۔ وہ خُدا کے حکم سے غفلت کو اپنے گناہ کا عذر نہیں بنا سکتے تھے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ غفلت قابل معافی ہوتی ہے۔ خصوصاً جب ایسی غفلت کا ممکنہ طور پر کوئی حل نہ ہو یا اِس پر قابو نہ پایا جا سکے۔ ایسی غفلت کو رومن کیتھولک کلیسیا نے درست طور سے ''ناقابل تسخیر غفلت'' کہا ہے۔ (ایسی غفلت جس کو تسخیر کرنے کی ہمارے پاس قوت نہ ہو)۔ ناقابل تسخیر غفلت بہانہ بناتی ہے اور کسی کی اخلاقی غلطی کی سزا کو التوا میں ڈالتی ہے۔ لہٰذا بائبل کی دستاویز آدم اور حوّا کے معاملے میں اس انتخاب کی تردید کرتی ہے۔ کیونکہ خُدا نے ان کی عدالت کی۔ اس سے ہم یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ جو آدم اور حوّا نے کیا وہ قابلِ معافی نہیں تھا اور یا پھر یہ ماننا ہو گا کہ یہ فیصلہ جو خُدا نے کیا اُسکی طرف سے من مانی یا غیر اخلاقی تھا۔ راست خُدا نے قابلِ معافی گناہ کی سزا نہیں دی۔ بے شک قابلِ معافی خطائیں در حقیقت خطائیں نہیں ہوتیں۔

دوسرا نقطہ یہ ہے کہ آدم اور حوّا کو شیطان نے مجبور کیا کہ خُدا کے حکم کی نافرمانی کریں۔ یہاں پر ہم اس بیان کی اصل مثال دیکھتے ہیں ''شیطان نے مجھ سے یہ کروایا'' اگر واقعی شیطان نے آدم اور حوّا کو مجبور کیا کہ وہ خُدا کے حکم کی خلاف ورزی کریں تو پھر ہمیں اُنکے عمل کا ایک جواز ملتا ہے۔ ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنا پڑے گا کہ انہوں نے یہ عمل آزادی کے کسی معقول پیمانے کیساتھ نہیں کیا۔ ایسا پیمانہ جو کم از کم انہیں اخلاقی جُرم سے چھڑا سکتا۔ ایسا نظریہ بائبل کی عبارت

کی واضح تعلیم کو رّد کرتا ہے کیونکہ بائبل میں شیطان کیطرف سے کسی زبردستی کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔

کلام مقدس اِس کی ذمہ داری، الزام اور قصورواری مکمل طور پر آدم اور حوّا پہ رکھتا ہے۔ انہوں نے برائی کی۔ اُنکا انتخاب بُرا تھا۔ کس طرح سے آدم اور حوّا نے بُرا چناؤ کیا؟ اگر ہم آگسٹین اور ایڈ وڈز دونوں کے چناؤ کے اس تجزیہ کا اطلاق گراوٹ سے پہلے والے آدم پر کرتے ہیں تو ہمیں ناقابلِ حل معمے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر آدم غیر جانبدار رغبت کیساتھ خلق کیا گیا (جس کا میَلان نہ برائی کی طرف اور نہ اچھائی کی طرف تھا) تو ہمیں اسی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا جس کو ایڈ وڈز اُن لوگوں کے لیے زیرِ غور لاتا ہے جو اِس کا اطلاق گراوٹ سے پہلے کے آدم پر کرتے ہیں۔ ایسی مرضی جس میں پہلے سے کوئی میَلان نہیں ہے اِس میں انتخاب کی کوئی تحریک نہیں ہوتی۔ تحریک کے بغیر کوئی انتخاب نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ اگر اِس طرح کا کوئی انتخاب ممکن ہوتا تو اسکی کوئی اخلاقی اہمیت نہ ہوتی۔

ضرور ہے کہ ہم دوسری دو متبادل باتوں پر غور کریں۔ کہ آدم اس طرح خلق کیا گیا کہ اس کا میَلان صرف بُرائی کی طرف تھا یا اس طرح خلق کیا گیا کہ اس کا میَلان صرف اچھائی کی طرف تھا۔ ان دونوں باتوں کا اختتام ایک بڑی فکری مشکل پر ہوتا ہے۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ آدم

صرف بُرائی کے میَلان کے ساتھ خلق کیا گیا تو ہم خُدا کے کردار پر خوفناک آنچ لاتے ہیں۔ کیونکہ اسکا مطلب یہ نکلتا ہے کہ خُدا نے انسان کو بُرائی کی طرف میَلان کے ساتھ پیدا کیا اور پھر ان میں اس میَلان کے ظاہر ہونے پر خود ہی انکو مجرم ٹھہرا کر سزا سنادی۔ حقیقی معنوں میں خُدا کو بُرائی کا موجد اور انسان کی بُرائی کے لیے خُدا کو مجرم ٹھہراتا ہے۔ بائبل کا ہر صفحہ اس قسم کے ہر دعوے کو رّد کرتا ہے جو الزام کو انسان سے اٹھا کر خُدا پر ڈال دے جو مکمل طور پر نیک اور راست ہے۔آج بھی بہت سے لوگ اِس پہلے انسان آدم کی پیروی کرتے ہوئے اسکی تقلید کرتے ہیں جس نے اپنے خالق کے سامنے یہ کہہ کر بہانہ بنایا"جس عورت کو تونے میرے ساتھ کیا ہے اس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا"(پیدائش 3 باب 12 آیت)۔آدم سے لے کر آج تک انسان اپنی گراوٹ کا اِلزام خالق کو دیکر اپنی گراوٹ کا اظہار کرتے ہیں۔

تیسرا نقطہ یہ ہے کہ خُدا نے انسان کو اس طرح بنایا کہ اس کا میَلان صرف اور صرف راستبازی کی طرف تھا۔اگر ایسا تھا تو پھر یہ عمل کسی معقول وجہ کے بغیر عمل تھا۔ایک مخلوق جو کہ صرف راستبازی کی طرف میَلان کے ساتھ خلق کی گئی ہے اس کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بدی کا چناؤ کرے؟

آدم کے گناہ کے بھید کے بارے میں دیگر تحقیقات

میری شخصی تعمیر میں ''جدلیاتی علمِ الٰہی''(Dialectical Theology) سے شدید تنفر موجود ہے۔ یہ ایسا علمِ الٰہی ہے جو تضادات اور احمقانہ بیانات کا اعلانیہ بیان ہے۔ اس طرح مجھے آدم کے گناہ کی ابتدا کے بارے میں نیو آرتھوڈکس علمِ الٰہی کے ماہر کے ساتھ اتفاق کرنے کا کڑوا گھونٹ پینا پڑے گا۔ کارل بارتھؔ آدم کے گناہ کو ''ناممکن امکان'' قرار دیتا ہے۔ کارل بارتھؔ بے شک توجہ آدم کے گناہ کے ناقابلِ توضیح بھید کی طرف دلا رہا ہے جو شعوری طور پر ناممکن اور ناقابلِ فہم تھا اور ہمارے لیے سچا اور ناقابل تسخیر بھید ہی ہے۔

گناہ کی اس پیچیدگی کا نفیس حل تلاش کرنے کے لیے کئی اور کوششیں کی گئی ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ آدم کا گناہ دوسرے گناہوں کی طرح محرومی، بدعنوانی یا اور کسی ایسی چیز کی نفی جو جبّلی طور پر اچھی تھی۔ دوسرے لفظوں میں آدم اچھے اخلاقی میَلان کے ساتھ پیدا کیا گیا۔ اسکی خواہش اور رغبت تو مسلسل اچھی تھی اِس لیے توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کی سرگرمیاں بھی ایسے ہی اچھی ہونگی۔ لٰہذا یہ رائے دی جاتی ہے کہ اخلاقی چناؤ کی پیچیدگی میں بعض اوقات نیک مرضی (جو کہ اپنی ذات میں اچھی ہے) کا غلط استعمال ہو سکتا ہے اور اس کا انجام بُرا ہو سکتا ہے۔ اس

طرح کے اُلجھاؤ کی بڑی مثال دوسرے اور نئے آدم یسوع مسیح کی آزمائش کے وقت ہوئی۔ بیابان میں یسوع کی آزمائش کے تجربے میں شیطان طویل روزے کے دوران اِس کے پاس آیا۔ یہ سمجھنا ایک محفوظ بات ہے کہ اس وقت یسوع مسیح میں کھانے کی شدید خواہش تھی۔ کھانے کی فطری انسانی خواہش کے اندر کوئی پوشیدہ اخلاقی مفہوم نہیں۔ بھوکے آدمی سے یہی توقع ہوتی ہے کہ وہ کھانے کی خواہش کرے۔ اس کے باوجود یسوع مسیح نے بھوک کو برداشت کرنے کے عمل سے خُدا کی فرمانبرداری کرنی چاہی۔ جب شیطان آیا اور اس نے کہا کہ وہ پتھروں کو روٹیوں میں تبدیل کر دے تو شیطان یسوع مسیح کے اندر بالکل معمولی رغبت اور خواہش کو ہوا دے رہا تھا۔ لیکن یسوع مسیح کے اندر باپ کی فرمانبرداری کی خواہش کھانے کی خواہش سے زیادہ گہری تھی۔ یوں مکمل طور پر راست خواہش سے معمور ہونے کی وجہ سے وہ شیطان کی آزمائش پر غالب آنے کے قابل تھا۔

اب یہ نظریہ اس طرح ہے کہ ہو سکتا ہے آدم کی گراوٹ میں کوئی بھلائی چھپی ہو۔ ایسی گراوٹ جو اپنے آپ میں اچھی تھی۔ لیکن شیطان کے مہلک اثر سے اِسکا استعمال غلط کیا گیا تھا۔ ایسی توضیح گراوٹ کو کافی قابل فہم بنا دیتی ہے لیکن یہ بہت آگے تک نہیں چلتی اور جلد ہی ناکام ہو جاتی ہے۔ اس کے انتہائی اہم مقام پر یہ وضاحت اس بات کا جواب نہیں دیتی کہ یہ

راست خواہش مسخ کیسے ہو گئی، خُدا کی فرمانبر داری کے سابقہ اصول کو مسترد کیسے کر دیا۔ اس سے پہلے کہ نافرمانی ہوتی آدم میں خُدا کی فرمانبر داری کی نسبت نافرمانی کی خواہش پیدا ہوئی۔ یوں پہلے ہی نافرمانی ہو چکی تھی کیونکہ خُدا کی نافرمانی کی خواہش کا پیدا ہونا ہی اپنے آپ میں گناہ ہے۔

میَں آدم کی گراوٹ کی توضیح کو اس کی آزاد مرضی کے فعال ہونے کے وصف کے ذریعے ہونے کے اس سوال کو لائق اور صاحب بصیرت علمائے دین پر چھوڑتا ہوں۔ اس معاملے میں انسان کی فانی حدود کو الزام دینا حقیقت میں خُدا کو الزام دینا ہے جس نے انسان کو فانی بنایا۔ بائبلی سطح پہ جو مدعا رہا ہے یا جو رہے گا وہ اخلاقی ہے۔ انسان کو اسکے خالق نے حکم دیا کہ وہ گناہ نہ کرے لیکن انسان نے گناہ کرنے کا چناؤ کیا، مدعا یہ نہیں کہ کس نے اس سے کروایا، خُدا نے یا کسی اور نے۔ انسان نے اپنے دل کے خیال کے مطابق اِسکا چناؤ کیا۔

اس سوال کا جواب دینے میں جو مستقل مشکل ہے وہ یہ ہے کہ انسان کا گناہ کیسے اس پُر اسرار دائرے میں داخل ہو گیا۔ شاید حتمی موازنے میں وہ سب کچھ جو ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم اپنے گناہ کی حقیقت اور اس کے لیے اپنی ذمہ داری کو پہچانیں۔ اگرچہ ہم اسکی توضیح نہیں کر سکتے لیکن ہمیں یہ یقیناً پتہ ہے کہ ہمیں اسکا اقرار کرنا ہے۔ ہمیں اپنے گناہ کی وجہ کو خُدا کے ساتھ

منسوب نہیں چاہیے اور پاک کلام جو اخلاقی ذمہ داری ہمیں تفویض کرتا ہے ہمارے پاس اُس کا کوئی عذر باقی نہیں۔

کچھ لوگ گناہ کی بابت اس سوال کا تسلی بخش جواب نہ دے سکنے پر مسیحی ایمان پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کو اسی اصطلاح کے ساتھ اس سوال کا جواب دیناضرور ہے۔ کچھ لوگ گناہ کی حقیقت کے انکار کا مضحکہ خیز طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ فرار کے لیے تو موزوں ہے لیکن بے معنی طریقہ ہے۔ صرف مسیحیت ہی گناہ کی حقیقت کا سامنا کرنے اور اس کے نتائج سے بچنے کا راہ مہیا کرتی ہے۔

گناہ کے مسئلے کا مسیحی حل ہمیں تب ملے گا جب ہم دوسرے مذاہب کے تجویز کردہ حل سے علیحدگی اختیار کریں گے۔ کیونکہ اِسکا مرکز یسوع مسیح کی شخصیت اور اس کا کام ہے۔ اُسکی کامل قربانی کے وسیلہ سے جس میں گناہ کو مٹادینے کی تاثیر ہے ایماندار کے گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ ہم خُدا کی نظروں میں راستباز ٹھہرتے ہیں۔ اگرچہ یہ راستبازی ہمیں اس بات کا پروانہ نہیں دیتی کہ ہم جو مرضی کریں۔ ضرور ہے کہ ہم خُدا کی فیصلہ کن مرضی کی تلاش کریں خصوصاً جب ہم اس دَور کے اخلاقی اور معاشرتی کشمکش کے پانیوں میں تیر رہے ہیں۔

جبکہ ہم نے انسان اور خُدا کی مرضی کے الٰہیاتی پہلوؤں پر بات کی ہے تو دو اور مضمون ہماری توجہ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ جن کا تعلق ہمارے اِزدواج اور کاروبار میں خُدا کی مرضی سے ہے۔ یہ دو عملی مقاصد ہماری شخصی زندگیوں میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم زندگی کے اس اہم پہلو میں خُدااور انسان کی مرضی کے درمیان تعلق کے بارے میں کیا سیکھتے ہیں؟ اگلے ابواب اِن اہم پہلوؤں میں فیصلے کرنے کے لئے رہنمائی کرتے ہیں۔

باب سوم

خُدا کی مرضی اور تمہاری ملازمت یا کاروبار

جب ہم لوگوں سے متعارف ہوتے ہیں تو عموماً یہ تین سوال پوچھے جاتے ہیں۔ آپکا نام کیا ہے؟ آپ کہاں سے ہیں؟ اور آپ کیا کرتے ہیں؟ تیسرا سوال ہے جس پر ہم اس باب میں غور کریں گے۔

آپ کیا کرتے ہیں؟ ظاہر ہے یہ سوال ہمارے پیشے، کاروبارِ زندگی اور ہمارے روزگار کی بابت ہے۔ لوگ جاننا چاہتے ہیں کہ ہمارے ذریعہ معاش کا اِنحصار کس کاروبار یا ملازمت پر ہے۔ یا کونسا ذریعہ معاش ہماری ضروریات کو پورا کر رہا ہے۔ ہم سب اس کہاوت سے واقف ہیں کہ ''فرصت کے بغیر لوگ اُکتاہٹ محسوس کرتے ہیں۔'' ہم اس بات کو سمجھتے ہیں کہ زندگی کاروبار سے زیادہ اہم ہے۔ ہم بہت سا وقت آرام، سونے، کھیلنے اور دوسری سرگرمیوں کے لیے نکالتے ہیں جو کہ بلاواسطہ روزگار یا کاروبار کا حصہ نہیں ہوتیں۔ اس کے باوجود ہماری زندگیوں کا

بڑا حصہ کاروبار پہ خرچ ہوتا ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری شخصی پہچان ہمارے کاروبار سے ہی ہے۔

ہم ایسی مخلوق ہیں جس کا کام کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ یہ ہماری تخلیق کی بناوٹ ہے۔ خُدا بذات خود کام کرنے والا خُدا ہے۔ تخلیق کے شروع سے ہی اس نے ہمارے حقیقی والدین پر کام کی ذمہ داری ڈال دی۔ آدم اور حوّا زمین کو جوتنے، ہل چلانے، اسکی نگہبانی، جانوروں کے نام رکھنے اور ان پر اختیار رکھنے کی انتظامی ذمہ داری کے لیے بلائے گئے۔ان تمام سرگرمیوں میں وقت، قوت اور وسائل صرف ہوتے ہیں۔

بعض اوقات ہم اس سوچ کی آزمائش میں پڑ جاتے ہیں کہ کام تو بس سزا ہے جو آدم کی باغ عدن میں گراوٹ کا نتیجہ ہے۔ ہمیں اس بات کو ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ کام گراوٹ سے پہلے دیا گیا تھا۔ ہماری گراوٹ کی وجہ سے محنت کے بوجھ میں اضافہ ہوا تھا۔ جس میں اچھے پودوں کے ساتھ کانٹوں اور اونٹ کٹاروں کا امتزاج ہو گیا۔ ہماری مشقت ہماری پیشانی کے پسینے کے ساتھ مکمل ہوتی ہے۔ یہ گناہ کے اثرات میں سے چند نتائج تھے۔ لیکن کام بذات خود مرد و خواتین کے لیے جلالی استحقاق کا حصہ ہے۔کام کی مرکزی حیثیت کو سمجھے بغیر انسانیت کو سمجھنا ناممکن ہے۔

ہم میں سے زیادہ تر لوگ اپنی زندگی کے ابتدائی سال اس کام کی تعلیم و تربیت میں گزارتے ہیں جو ہم نے ساری زندگی کرنا ہوتا ہے۔ حساس مسیحی سمجھتے ہیں کہ بطورِ خُدا کے خادم الٰہی مقصد کو پورا کرنے کے لیے اپنے کام میں محنت کر کے وہ خُدا کی بادشاہی میں حصہ ڈالنے کے ذمہ دار ہیں۔ایسا مسیحی اس بات کو دریافت کرنے میں سخت محنت کرتا ہے کہ وہ اپنے کام میں کس طرح خُدا کی خدمت کر سکتا ہے۔

پیشہ اور بُلاوہ

علم الٰہی میں ''بُلاوے'' کے تصور کی بنیاد الٰہی بُلاوے کے اندر پائی جاتی ہے۔ لفظ بُلاوہ پیشے کے لئے لاطینی لفظ سے نکلا ہے۔ ہمارے لادین معاشرے میں یہ اصطلاح اپنے اصلی معنی کھو چکی ہے اور اسکا مطلب کاروبارِ زندگی تک محدود ہو گیا ہے۔ مَیں بُلاوے کی اصطلاح کو اسکے اصل معنوں ''الٰہی بُلاوے'' کے ساتھ ہی استعمال کروں گا۔ جس کا مطلب ہے کسی کام یا خُدا کی طرف سے سونپی گئی ذمہ داری کی تکمیل کے لیے مقدس طلبی۔ بطورِ مسیحی ہمیں جس سوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے ''کیا مَیں اپنے بُلاوے کے حوالے سے خُدا کی مرضی کے مرکز میں ہوں؟''

دوسرے لفظوں میں کیا میَں اپنی زندگی میں وہی کر رہا ہوں جو کچھ خُدا مجھ سے چاہتا ہے کہ میَں کروں؟اس نکتے پر خُدا کی مرضی کی بابت سوال انتہائی عملی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ میری زندگی کی اِس سمت کو چھوُتا ہے جو میرے جاگنے کے بیشتر اوقات پر مبنی ہے۔اور میری شخصیت کی تکمیل پر بہت گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ اگر بائبل کچھ سکھاتی ہے تو وہ یہ ہے کہ خُدا بُلانے والا خُدا ہے۔ دُنیا قادرِ مطلق خالق خُدا کے کہنے سے بنی۔ ''روشنی ہو جا تو روشنی ہو گئی''(پیدائش 1 باب 3آیت)۔ خُدا اپنے لوگوں کو توبہ، تبدیلی اور اپنے خاندان کے فرد ہونے کے لیے بھی بُلاتا ہے۔ اور وہ ہمیں اپنی بادشاہی میں اپنی خدمت کے لیے بھی بُلاتا ہے۔تاکہ ہم اپنی نعمتوں کا بہترین استعمال ممکن بنائیں۔ ابھی تک جس سوال کا ہمیں سامنا ہے وہ یہ ہے ''میَں کس طرح جان سکتا ہوں کہ میرا خصوصی بُلاوہ کیا ہے؟''

جدید دُنیا کے ساتھ ایک بڑا المیہ یہ ہے۔ اگرچہ ملازمت کا بازار بہت وسیع اور پیچیدہ ہے جس میں لاتعداد ممکنہ پیشے موجود ہیں لیکن تعلیمی نظام صرف محدود پیشوں کے انتخاب کے لیے ہماری تربیت اور رہنمائی کرتا اور راہ دِکھاتا ہے۔ جب میَں ہائی سکول سے گریجویٹ ہوا اور کالج میں نیا نیا داخل ہوا تو بہت زیادہ بات جو موضوع گفتگو ہوتی وہ خاص پیشے کی خواہش اور خصوصی مضمون کے تعلق سے ہوتی۔اُس وقت یوں محسوس ہوتا جیسے ہر کوئی ہمیں انجنئیر بنے

کیطرف دھکیل رہاہے۔ 1950 کی مشینی ثقافت میں انجینیر نگ کے پیشے کے لیے ہزاروں نفع بخش کام موجود تھے۔کالج کے کیمپس میں انجینیر نگ کی ڈگری کے طالب علموں کا سیلاب ہوتا تھا۔

مجھے 1970 کی دہائی میں مارکیٹ میں انجنیئروں کا مانگ سے بڑھ کر ہجوم بھی یاد ہے۔ کئی ایسی کہانیاں ان لوگوں کی سننے کو ملتیں ہیں جنہوں نے انجنیئر نگ میں ڈاکٹریٹ کی ہوتی اور بے روزگاری کی وجہ سے وہ مقامی ہوٹلوں میں برتن صاف کرتے تھے کیونکہ انجئیر نگ کے میدان میں کافی ملازمتیں نہ تھیں۔ بالکل یہی حالت اُن طلبا کی بھی تھی جنہوں نے ایجوکیشن کو بطور خاص مضمون پڑھا تھا۔ ایجوکیشن کے محکمہ میں ملازمتیں کم سے کم اور درخواست گزاروں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوتی جارہی تھی۔دراصل مسئلہ انکی وجہ سے بڑھ رہا تھا جو غلط تشہیر کرتے اوران پیشوں کامشورہ دیتے جن میں ملازمت کی گنجائش پہلے ہی ختم ہوچکی تھی۔

بیسویں صدی کے آغاز میں انتخاب بہت ہی مشکل ہو چکا تھاکیونکہ امریکہ کے بچوں کی اکثریت زرعی شعبہ کی تیاری کے لیے اپناوقت گزار دیتی۔آج بمشکل دو فیصد آبادی کاشتکاری کے شعبے سے منسلک ہے۔ جس نے دوسرے شعبہ جات کے لیے لاتعداد دروازے کھولے اس شعبہ کااس حدتک گھٹنا مضحکہ خیز ہے۔

اپنے بُلاوے کی تلاش

بُلاوے کا سوال زندگی میں دو بڑے موقعوں پر بہت اہم ہو جاتا ہے۔ پہلے نمبر پر جوانی کے اوائل میں جب کسی شخص پر یہ دباؤ ہوتا ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ اپنے مستقبل کے لیے وہ کون سا ہنر یا تعلیم کا کون سا شعبہ اختیار کرے۔ کچھ کالج میں داخل ہونے والے نئے طلبا اس بات میں دباؤ محسوس کرتے ہیں کہ کالج کے پہلے سال میں اپنی قابلیت کو جانے بغیر دیئے گئے مضامین میں سے کس مضمون کا چناؤ کریں۔

زندگی کا دوسرا لمحہ جب آدھی زندگی گزارنے کے بعد اختیار کیا ہوا پیشہ مشکل محسوس ہونے لگے۔ جب کسی انسان کو جھنجھلاہٹ یا ناکامی کا احساس ہو یا موجودہ صورتِ حال میں ادھورا سا محسوس کرنے لگے۔ اس کے دِل میں یہ سوال اُبھر سکتا ہے کہ کیا میَں نے اپنی اتنی زندگی ضائع کر دی؟ کیا میَں نے بے معنی، ناقابل تکمیل اور لاحاصل کام میں زندگی لگا دی؟ ایسے سوالات اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ہمارے ہاں اِزدواجی مشاورت کے بعد پیشہ وارانہ مشاورت پاسبانی خدمت کا اہم حصہ ہے۔

ہمیں اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا ضرور ہے کہ اِزدواجی بے قائدگیوں اور لڑائی جھگڑوں میں پیشہ وارانہ جھنجھلاہٹ بہت بڑی وجہ ہے۔ لہٰذہ زندگی کے دونوں ادوار یعنی نوجوانی میں اور زندگی میں جب جھنجھلاہٹ محسوس ہونے لگے پیشے کے انتخاب پر محتاط طریقے سے دھیان سے دینا انتہائی ضروری ہے۔ کسی شخص کو اپنے بُلاوے میں امتیاز کے لیے چار اہم سوالات پر زیادہ توجہ مرکوُز کرنا بہت ضروری ہے۔

1. مَیں کیا کر سکتا ہوں؟
2. مَیں کیا کرنا پسند کرتا ہوں؟
3. مَیں کیا کرنے کے قابل ہونا چاہتا ہوں؟
4. مجھے کیا کرنا چاہیے؟

آخری سوال ایک حساس ضمیر کو مشکل میں ڈال سکتا ہے۔ اس کا جواب دینے کے لیے ہمیں پہلے تین سوالوں پر دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اِن کا اِس سوال ''مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ مَیں کیا کر سکتا ہوں؟ پیشے کے چناؤ میں قابلیت، ہنر اور

فطری صلاحیت کا اندازہ لگانا از حد ضروری اور فیصلہ سازی کے لیے بنیادی حصہ ہے۔ ہمیں یہ سوال کرنا ضروری ہے ''میری قابلیتیں کیا ہیں؟ کوئی کام کرنے کے لیے میَں کن لوازمات سے لیس ہوں؟''

ہم اعتراض اٹھا سکتے ہیں کہ موسیٰ اور یرمیاہ دونوں نے خُدا کی بُلاہٹ کے سامنے یہ کہتے ہوئے احتجاج کیا کہ وہ مطلوبہ کام کے قابل نہیں ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ وہ فصیح نہیں ہے اور ٹھیک طرح سے بول نہیں سکتا۔ اور یرمیاہ نے اپنے خالق کو یاد لایا کہ وہ بچہ ہے۔ دونوں نے مطلوبہ کام کے لیے قابلیت نہ ہونے کے کمزور دعوؤں کی بناء پر الٰہی بُلاوے سے فرار چاہنے پہ خُدا سے ڈانٹ کھائی۔ نہ یرمیاہ اور نہ ہی موسیٰ مکمل طور پر سمجھ رکھتے تھے کہ خُدا کے بُلاوے کو پورا کرنے کے لیے کس چیز کی ضرورت تھی۔ مثال کے طور پر موسیٰ احتجاج کرتا ہے کہ وہ فصیح نہیں ہے۔ لیکن خُدا نے اس کام میں حصہ لینے کے لیے ہارُون کو اسکی مدد کے لیے تیار کیا ہوا تھا۔ خُدا موسیٰ میں فرمانبردار قیادت دیکھنا چاہتا تھا لوگوں کے ساتھ ہمکلام ہونے کا کام کسی اور کے سپرد ہو سکتا تھا۔ خُدا نے بُلانے سے پہلے یقینی طور پر موسیٰ کے اندر غور و فکر، نعمت، قابلیت اور فطری صلاحیت رکھی تھی۔

ہمیں اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ خُدا کامل منتظم ہے۔ وہ اپنے انتخاب اور لوگوں کو اسکی تفویض کردہ لیاقت کے مطابق بُلانے میں کامل ہے۔ شیطان کی حکمت عملی یہ ہے کہ وہ مسیحیوں کو اس کام میں لگائے جس کو ٹھیک طور سے کرنے کی ان کے اندر قابلیت نہیں ہے۔ شیطان خُود بہت قابل ہے کہ وہ مسیحیوں کی اس کام کی طرف رہنمائی کرے جسکو کرنے کی اِنکے اندر صلاحیت اور قابلیت نہیں ہے۔

میَں کیا کر سکتا ہوں؟ اس سوال کا جواب پرکھ کی مہارت، اپنی خوبیوں اور خامیوں کے موازنہ اور اپنی سابقہ کارکردگی کی جانچ پڑتال کرنے سے دیا جا سکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں قابلیتوں اور کارکردگی کی پیمائش کے لیے بہت مہذب اور نفیس طریقے موجود ہیں۔ ہمیں اپنی قابلیت کی پیمائش کرنا بہت ضروری ہے۔

لوگ اکثر اس کام کے لیے درخواست دے دیتے ہیں جس کے لیے ان کے اندر صلاحیت نہیں ہوتی۔ اور بدقسمتی سے یہ بات کلیسیا اور کلیسیائی خدمات پر بھی صادق آتی ہے۔ کچھ لوگ کل وقتی خدمت کے بھوکے ہوتے ہیں لیکن اُنکے اندر اس کام کے لیے مطلوبہ صلاحیت اور نعمت کا فقدان ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہو سکتا ہے وہ تعلیمی اداروں سے تربیت یافتہ ہوں اور انکے

پاس اسناد بھی موجود ہوں ۔ لیکن موثر پاسبان ہونے کے لیے ان کے پاس انتظامی اہلیت اور لوگوں کے ساتھ گھلنے ملنے کی صلاحیت نہ ہو۔

شاید صلاحیت کی بابت کلام مقدس میں پایا جانے والا نہایت اہم اصول پوُلس رسول کی اس تنبیہ میں ہمیں مل سکے گا کہ جیسا سمجھنا چاہیے اس سے زیادہ کوئی اپنے آپ کو نہ سمجھے (رومیوں 12 باب 3 آیت)۔اِس تجزیے کے ذریعہ سے ہم سنجیدہ، دیانتدارانہ اور شفاف جانچ پڑتال کر سکتے ہیں کہ ہم کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں اور ہمیں اس کے مطابق قدم اٹھانا چاہیے۔

نوجوانوں کے پاس مختلف سوالات ہوتے ہیں ""میَں کیا کرنے کے قابل ہونا چاہتا ہوں؟"" ہو سکتا ہے کہ ایسے شخص نے بہت کم کام سیکھے ہوں یا اُسکا بہت کم تعلیمی سیاق و سباق ہو لیکن وہ یہ بات جان لیتا ہے کہ اس کے پاس قابلیت حاصل کرنے اور ہنر مند ہونے کے لیے کافی وقت ہے۔

یہ نقطہ فطری صلاحیت کے نظریہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ فطری صلاحیت میں انسان کی پوشیدہ قابلیتیں اور اسکے ساتھ ساتھ تربیت کی بناء پر پیدا کی گئی قابلیتیں شامل ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی انسان میں کیمیائی چیزوں کی بابت فطری صلاحتیں موجود ہوں لیکن غیر مادی چیزوں کے لیے اِسکے اندر فطری صلاحیت موجود نہ ہو۔ ہو سکتا ہے یہ شخص فلاسفر بننے کی خواہش

کرے لیکن اپنے وقت کا بہت اچھا استعمال جہازوں کا مکینک بننے کے لیے کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود ترجیحات بہت اہم ہیں۔ یہاں ہم انسانی تجربے کے اس نازک اور خوفناک علاقے میں داخل ہو جاتے ہیں جسے تحریک کی دُنیا کہا جاتا ہے۔

محرک صلاحیتیں

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ کئی لوگوں کے پاس ایک سے زیادہ صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ اور انکی صلاحیتوں کو دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تحریک کی بنا پر پیدا کی گئی صلاحیتیں اور بنا تحریک کے صلاحیتیں۔ بنا تحریک کے صلاحیتیں ایسا ہنر یا خوبی ہیں جو کسی انسان کے پاس ہیں لیکن انکو استعمال کرنے کے لیے کسی تحریک کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ کچھ مخصوص کام کرنے کے لیے بہت موزوں ہوتے ہیں لیکن ان کاموں کی تکمیل کر کے ان کو تشفی یا لطف نہیں ملتا۔ بلکہ انکو کرنا سراسر مشقت اور تکلیف دِہ ہی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ انکو کرنے میں ماہر ہوں۔ لیکن کسی بناء پر انکو یہ کام ناگوار لگے گا۔

مِیں ایک جوان خاتون کو جانتا ہوں جس نے اپنی نوجوانی کے دوَر میں ہی گالف کے کھیل میں مہارت کی وجہ سے قومی سطح پر لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ اپنی نوجوانی کے ایام میں ہی اس نے قومی مقابلہ جیت لیا۔ لیکن جب اسکا وقت آیا کہ وہ اس کو پیشے کے طور پر اپنائے تو اس نے کوئی اور پیشہ اختیار کر لیا۔ اس لیے نہیں کہ کھلاڑی کی نسبت کسی اور پیشہ کے لیے اسکو کوئی روحانی بُلاوہ آیا تھا بلکہ صرف اس لیے کہ گالف میں اسکو کوئی خُوشی نہیں ملی تھی۔ اس کی ناپسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ اسکے باپ نے نوجوانی کی عمر میں اسکو گالف کی کھلاڑی بننے پہ مجبور کیا تھا۔ جب وہ کچھ زیادہ عمر کی ہو کر خود مختار ہوئی تو اس نے کوئی اور کام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے اندر پیشہ ور گالف کی کھلاڑی بننے کی صلاحیت تھی لیکن تحریک کا فقدان تھا۔

ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اگر تحریک کا فقدان تھا تو وہ اتنی ماہر گالف کی کھلاڑی کیسے بن گئی؟ ہمیں یہ بات جاننے کی ضرورت ہے کہ اسکو ماہر ہونے کے لیے تحریک دی جاتی تھی لیکن تحریک کی بنیاد بہت حد تک اس کے باپ کے خوف پر تھی۔ اپنے باپ کی خُوشی کے لیے اس نے یہ ہنر حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو منظم کر لیا۔ اس نے اپنی مرضی سے اس کا تعاقب نہیں کیا۔ جب وہ اختیار کی دھکیلنے والی قوتوں سے آزاد ہوئی تو اس نے اپنی پیشہ وارانہ سرگرمیوں کو

کسی اور طرف موڑ دیا۔ کہانی کا انجام واضح ہے۔ وہ شخص جس نے تحریکی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے اپنا پورا وقت اور قوت صرف کی وہ مایوس کن ہی ثابت ہوا۔

یہ درست ہے کہ بطور مسیحی ہمارے پاس ہمیشہ وہ کام کرنے کی سہولیات موجود نہیں ہوتیں جو ہم کرنا چاہتے ہیں۔ خُدا نے ہمیں قربانی دینے اور مسیح کی مصیبتوں میں شریک ہونے کے لیے بُلایا ہے۔ یقین کریں کہ ہم حالتِ جنگ میں رہ رہے ہیں۔اور بطور مسیحی ہم نے اس دورانیے کے لیے عہد کیا ہے۔ ہمیں خُدا کی بادشاہی کے لیے اپنی اُتم ذمہ داری کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کرنا۔ خادِم ہونے کا بُلاوہ فرمانبردار رہنے کا بُلاوہ ہے۔ بعض اوقات ہم وہ کام کرنے کے لیے بُلائے جاتے ہیں جن کو کرنے میں ہمیں کوئی خُوشی نہیں ملتی۔اسکے باوجود اپنی تحریک کو اپنے بُلاوے اور اپنے بُلاوے کو اپنی تحریک کے مطابق بنانا بہت مقدم بات ہے۔

اگر تمام چیزیں مساوی ہوتیں تو یسوع نے صلیب کی طرف نہیں جانا تھا۔ جیسا اس نے اپنی اذیت میں باغ گتسمنی میں کہا۔ لیکن بیک وقت اسکی شدید خواہش اور تحریک تھی کہ اپنے باپ کی مرضی کو پورا کرے۔اور یہی اس کا کھانا اور پینا اور اسکے ذوق وشوق کا مرکز تھا۔ جب اسکو یہ تصدیق ہو گئی یہ باپ کی مرضی تھی تو اس نے اپنی جان دے دی۔ یسوع مسیح کو حقیقی اور اہم معنوں میں اس کام کو سرانجام دینے کے لیے تحریک ملی تھی۔

آیئے خدمت اور فرمانبرداری کے تصور کو انسانی جنگ کی تشبیہ تک بڑھائیں۔ کوئی بحران کسی قوم کو گھیر لیتا ہے اور لوگ قومی دفاع کے لیے طلب کیے جاتے ہیں۔ اپنے تحفظ اور گھر کی آسائشوں اور کاروبار کو ترک کر کے وہ فوجی خدمات کے لیے نام لکھوا کر قربانیاں دیتے ہیں۔ کیا مسیحی ایسا ہی کرنے کے لیے نہیں بُلائے گئے؟ یقیناً ایک طرح سے ایسا ہی کرنے کے لیے بُلائے گئے ہیں۔ اسکے علاوہ زمینی آرمی کے سیاق و سباق میں نوکریوں کی بہت زیادہ اسامیاں ہیں۔ کچھ ایسی ہیں جن کے لیے ہم موزوں ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن کے لیے ہم موزوں نہیں ہیں۔ آرمی کے کچھ کام ہماری تحریکی صلاحیتوں اور روّیوں کے نمونوں کے مطابق ہوں گے جبکہ دوسرے ہماری تحریکی صلاحیتوں اور روّیوں کے بالکل ہی اُلٹ ہوں گے۔ یہاں تک کہ قربانی دینے والی خدمت کے تناظر میں تحریک پر غوروخوض کرنا ہمارے پیشے کا تعین کرنے میں اہم جز ہے۔

ہمارے معاشرے میں کچھ ذاتی کاروبار رکھنے والے بے لچک انفرادیت پسند ہیں جو کسی تنظیم کے کاروباری ڈھانچے کا حصہ بننے کو غیر ضروری تصور کرتے ہیں جہاں انکے اوپر کوئی نگران، مختار یا اختیار والوں کی قطار ہو۔ ہم میں سے زیادہ تر اپنی کاروباری زندگیاں ایسی تنظیموں کے ساتھ گزارتے ہیں۔ یہاں پر ہم موزونیت کا مسئلہ دیکھتے ہیں۔ کیا ہماری ملازمت ہماری

تحریکی صلاحیتوں کے لیے موزوں ہے؟ ہماری ملازمت کا مطلوبہ درجہ اور ہماری تحریکی صلاحیتیں اکثر ہماری شراکت کی افادیت کا تعین کرتی ہیں اور ہماری شخصی تسکین کو بڑھاتی ہیں۔

جب شخصی تحریک ہمارے کام کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی تو بہت سے لوگ مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ پہلے نمبر پر تو وہ شخص خود مشکل اٹھاتا ہے کیونکہ وہ ایسا کام کر رہا ہے جو اسکی تحریکی صلاحیتوں کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ ایسا کام کر رہا ہے جس کے لیے وہ موزوں نہیں۔ وہ زیادہ فائدہ مند یا موثر نہیں ہوتا۔ وہ اِدارے کے اندر دوسروں کے لیے بھی مشکلات کھڑی کرتا ہے کیونکہ اس کی جھنجلاہٹ نمایاں نظر آتی ہے اور وہ اپنے ساتھیوں پر بھی منفی اثر چھوڑتا ہے۔

کچھ اتنے پاک ہوتے ہیں کہ وہ سونپے گئے اس کام کو بھی بڑی مہارت سے کرتے ہیں جس کے لیے انکے اندر تحریک نہیں ہوتی۔ وہ اس کام کو اس مہارت سے کرتے ہیں جیسے دوسرے لوگ اس کام کو جس سے وہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اس کے باوجود ایسے پاک لوگ کارکنوں کے اندر نہایت قلیل تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ تحقیق بار بار بتاتی ہے کہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اس کے لیے ان کے اندر مضبوط رغبت ہوتی ہے قطع نظر اس کے کہ انکی ملازمت کا بیانیہ کیا کہتا ہے۔ وہ اپنی زیادہ تر کوشش اور وقت اس کام کو کرنے

میں گزارتے ہیں جو وہ کرنا چاہتے ہیں بر عکس اس کے کہ ان کی ملازمت ان سے کیا مطالبہ کرتی ہے۔ وقت اور قوت کی ایسی سرمایہ کاری کسی بھی محکمہ یا تنظیم کے لیے بہت قیمتی ہوتی ہے۔

مندرجہ ذیل سادہ سے خاکے تحریکی صلاحیتوں کے نمونے اور ملازمت کے بیانیے کے درمیان تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ نقشے پیپل مینجمینٹ (People Management)جو کہ کاروباری ربط پیدا کرنے والی تنظیم سے مستعار لیے گئے ہیں۔ یہ تنظیم لوگوں کی مدد کرتی ہے کہ وہ تحریکی قابلیت کے نمونے کو سمجھیں اور یہ تنظیم دوسری تنظیموں کی مدد کرتی ہے کہ وہ لوگوں کی صلاحیتوں اور تحریک اور تنظیم کے مقاصد اور ضروریات میں ربط پیدا کریں۔ اس قسم کی رہنمائی نہ صرف غیر مذہبی صنعتوں میں ہی بلکہ کلیسیائی ڈھانچے اور کلیسیائی مقدّس خدمات کے لیے بھی ضروری ہے۔

غیر موزوں جدول

تنظیمی مایوسی

کام کی تفصیل		غیر استعمال شدہ
غیر تکمیل شدہ کام		تحریکی صلاحتیں

تخصی مایوسی

اس خاکے میں اُوپر والا بائیں طرف کا خانہ کارندے کی ملازمت کے بیانیے اور بہترین تنظیمی کام کے لیے درکار مطالبوں کو ظاہر کرتا ہے۔

نیچے والا دائیں طرف کا خانہ کارندوں کی تحریکی صلاحیتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ سایہ دار خانہ موزوں ملازمت کے دائرہ کار کو ظاہر کرتا ہے ۔یہ توازن میں نہیں ہے۔ کارکن کی تحریکی صلاحیتوں کے بہت سے حصے کو استعمال نہیں کیا جارہا۔ یہ کارکن کے لیے جھنجلاہٹ کا باعث ہو گا۔

تنظیموں کے ملازمت کے بیانیے کا بڑا حصہ یا تو ناکارہ ہو جاتا ہے یا بہت کم کارکردگی دکھاتا ہے۔اور نتیجہ تنظیم کی ناکامی کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہ نمونہ تنظیم اور کارکنوں دونوں کے

لیے مسائل کا سبب بنتا ہے۔ ضرور کچھ تبدیلیاں ہونی چاہئیں۔

مندرجہ ذیل خاکہ ملازمت کے بیانیے اور تحریکی صلاحتوں کے درمیان مثالی موافقت کا بیان کرتا ہے۔ اسکا نتیجہ کارکن اور تنظیم دونوں کے لیے تسکین کی صورت میں نکلتا ہے۔

تنظیمی طور پر موزوں

کام کی تفصیل
تحریکی صلاحیتیں

دُنیا کا انکار کرنے والی مانونیت کی روح کے اثرات کی وجہ سے ابتدائی مسیحیوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ خُدا کی خدمت کرنے کا صرف اور صرف یہ طریقہ ہے کہ ایسی زندگی بسر کی جائے جیسے کانٹوں کے بستر پر۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ صحیح خدمت کا راستہ صرف خود انکاری ہے۔ حقیقی وصف صرف اپنے کام میں ممکنہ حد تک خستہ حال ہونے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

اس کے باوجود اگر خُدا ہمیں ایسے کام کے لیے بلاتا ہے جس میں ہمیں کوئی خُوشی نہیں ملتی تو ہمیں اپنے آپ کو اس کام کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔ خُدا بُرے منتظمین کا بھی عظیم سربراہ ہے۔

کلام مقدس خُدا کی تنظیم سازی کے انداز کا بیان مختلف طریقہ سے کرتا ہے۔ خُدا ہمیں ہماری قابلیتوں اور رغبتوں کے مطابق اپنے بدن میں تعمیر کرنے کے ذریعے سے انتظام و انصرام کرتا ہے۔ وہ اپنے لوگوں میں ہر ایک کو نعمتیں دیتا ہے۔ ہر مسیحی کو الٰہی کام کرنے کے لیے خُدا نے نعمت دی ہے۔ اور نعمت کے ساتھ رغبت یا تحریک بھی دی ہے تاکہ ہم اس نعمت کا ستعمال کر سکیں۔

ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

اس سے ہم اس حتمی اور اہم سوال تک پہنچتے ہیں کہ ''مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' انتہائی عملی نصیحت جو مَیں آپ کو دے سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ جس طرف آپ کی تحریکی صلاحتیں اشارہ

کرتی ہیں اور جو آپ انتہائی رغبت سے کر سکتے ہیں وہی کچھ کرو۔ آپ جو کچھ کرنا پسند کرتے ہیں اگراس سے خُدا کی خدمت ہو سکتی ہے تو ہر طرح سے آپکو وہی کچھ کرنا چاہیے۔

کام میں ایک بڑی اور اہم رکاوٹ جو سامنے آسکتی ہے وہ خُدا کی فیصلہ کن مرضی ہے۔ اگر ایک عورت کی بڑی قابلیت اور تحریک طوائف بننے کی ہے اور کسی آدمی کی تحریکی صلاحیت بینک کا بہت بڑا چور بننے کی ہے تو پھر ضرور ہے کہ کاروباری منزل کے تعین میں ترمیم کی جائے۔ ایسی تحریکی صلاحیتوں کی تکمیل انسان کو سیدھا خُدا کی فیصلہ کن مرضی کے ساتھ تصادم کی طرف لے جائے گی۔

اگر ہم طوائف بننے یا بینک کا چور بننے کی تحریکی صلاحیتوں کی بنیادی وجوحات کا بغور جائزہ لیں تو اُن کی صلاحیتوں اور تحریک کے درست استعمال سے منافع بخش اور نتیجہ خیز طور پر الٰہی اداروں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں اپنی تحریکی صلاحیتوں کو صرف تصدیق کے لیے خُدا کی شریعت کے پاس نہیں لانا چاہیے بلکہ یہ بھی یقینی بنانا چاہیے کہ جس پیشہ کا ہم چناؤ کر رہے ہیں وہ خُدا کی برکت ہے۔

یقیناً اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر کسی کے اپنی زندگی کو طبّی کاموں کے لیے وقف کرنے سے ہم اس نیکی کو دیکھ سکتے ہیں جو ادویات کے ذریعہ سے بیماروں کی تکلیف کو

کم کرنے سے ہو سکتی ہے۔ ہم یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ دُنیا کو کھانے کے لیے روٹی کی ضرورت ہے اور نان ساز کا پیشہ اس انسان کے لیے خُدا کی طرف سے سونپا گیا کام ہے جس کے پاس اسکی تحریک ہے اور وہ پکوائی کے کام میں ماہر ہے۔ یسوع مسیح نے خود بہت سے سال منادی اور تعلیمی خدمت میں نہیں بلکہ بڑھئی کے شعبہ میں گزارے جو کہ ایک درست پیشہ تھا۔ ان دِنوں میں بھی یسوع خُدا کی مرضی کے مرکز میں تھا۔

ہر پیشہ جو خُدا کی بنائی ہوئی دُنیا کی ضروریات کو پورا کرے الٰہی بُلاوہ ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔ میں یہ بات اس لیے کر رہا ہوں کیونکہ مسیحی دُنیا کے اندر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ صرف کُل وقتی مسیحی خدمات ہی الٰہی بُلاوہ ہو سکتی ہیں۔ جیسے کہ صرف منادی اور بائبل کی تعلیم دینا ہی وہ کام ہیں جن کے لیے خُدا ہمیں بلاتا ہے۔ بائبل کا سرسری مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ایسی سوچ درست نہیں ہے۔ پرانے عہد نامہ میں ہیکل صرف سلیمان کی پُر حکمت نگرانی میں نہیں بنی تھی بلکہ وہ کندہ کاروں، سنگ تراشوں اور اس طرح کے دوسرے کاریگروں کی کاریگری بھی تھی جن کو خُدا نے الٰہی حکمت سے نوازا تھا۔

داؤد کا پیشہ چرواہے کا تھا، ابراہام کا پیشہ قافلوں کی صورت میں تجارت کرنے کا تھا، پولُس کا پیشہ خیمہ سازی کا تھا۔ یہ سب دُنیا کی نجات کے لیے الٰہی منصوبے کا حصہ تھے۔ جب خُدا نے

آدم اور حوّا کو بنایا وہ کلُ وقتی کلیسیائی خدمت کے لیے نہیں بلائے گئے تھے وہ بنیادی طور پر کسان ہونے کے لیے بلائے گئے تھے۔

بُلاوہ وہی ہے جو ہمیں خُدا کی طرف سے ملتا ہے۔ صرف خُدا ہی ہے جو ہمیں بلاتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ہمیں ایسے نہ بلائے جیسے اس نے موسیٰ کو جلتی ہوئی جھاڑی میں ظاہر ہو کر بُلایا اور اسے پیروی کے لیے خاص احکام دیئے۔ اسکے بر عکس وہ ہمیں پوشیدگی میں اور خاص نعمتیں، قابلیتیں ،فن اور خاص خواہشات دے کر بُلاتا ہے۔ اسکی پوشیدہ فیصلہ کن مرضی ہمیں تیار کرنے کے پیچھے کام کرتی ہے تاکہ ہم اسکے تاکستان میں فائدہ مند کام کریں۔

لوگوں کی طرف سے بیرونی بُلاوہ

ہمیں پتہ چلتا ہے کہ خُدا کی طرف سے اندرونی بُلاوے کے علاوہ محنت کے لیے بیرونی بُلاوے جیسی بھی کوئی چیز ہے یعنی وہ بُلاوہ جو لوگوں کی طرف سے آتا ہے جو مخصوص کاموں یا مقاصد کے لیے ہماری خدمات چاہتے ہیں۔ ہمیں کسی کلیسیا کی طرف سے مناد ہونے کے لیے بُلایا جا سکتا ہے یا کسی کمپنی کی طرف سے نگران یا جہاز سے مال روانہ کرنے والا بیوپاری کے طور پر

بُلا یا جا سکتا ہے۔ ہر دفعہ کوئی کمپنی ایک اشتہار اخبار میں دیتی ہے کہ انسانی بُلاوہ قابل کارکنوں کے لیے دیا جاتا ہے کہ آئیں اور اپنی قابلیت اور صلاحیت کو موجودہ ضرورت کے ساتھ ملائیں۔ کچھ مسیحی دلیل دیتے ہیں کہ ضرورت ہمیشہ بُلاوے کو تشکیل دیتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دُنیا میں مبشرین کی ہمیشہ ضرورت ہے اور اس لیے ہر کسی کو مبشر بننا چاہیے۔ میَں اس بات کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں کہ جب ہم کام کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں تو ہمیں ہمیشہ خُدا کی بادشاہی کے کام کو دھیان میں رکھنا چاہیے۔اس حقیقت کے باوجود کہ دُنیا کو مبشرین کی ضرورت ہے اس کا اطلاق یوں نہیں ہوتا کہ اس دُنیا میں ہر شخص مبشر ہونے کے لیے بُلایا گیا ہے۔ دوبارہ نیا عہد نامہ اس بات کو صاف کر دیتا ہے کہ ہر کوئی مناد یا منتظم ہونے کے لیے نہیں بُلایا گیا۔ کلیسیا مختلف نعمتیں، صلاحیتیں، ہنر اور پیشہ رکھنے والے لوگوں پر مشتمل ہے۔ ہمیں سہل پسندانہ غیر فعال مفروضہ نہیں بنانا چاہیے کہ ضرورت بُلاوے کو تشکیل دیتی ہے۔

یقیناً ضرورت اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ خُدا کے لوگوں کو اس ضروت کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن یقیناً اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن میں اس ضرورت کو پورا کرنے کی اہلیت نہیں ہے انکو اس خلا کو پورا کرنے کے لیے جھونک دیا جائے۔ مثال کے طور پر ہر مسیحی کی ذمہ داری ہے کہ بشارت کے اس فرمان کو پورا کرنے کے لیے نکلیں۔ یہ ہر مسیحی کی ذمہ

داری نہیں ہے کہ وہ مبشر بنے۔ میَں مبشر نہیں ہوں۔ اگرچہ میَں مبشرین کو علمِ الٰہی کی تعلیم دے کر اور کلیسیا کو منادی کے کام کے لیے پیسہ دے کر اس کام میں حصہ ڈالتا ہوں۔ میَں یہ کام کرتا ہوں تاکہ جن کے پاس یہ نعمت اور تحریک ہے بُلائے جائیں، ان کو تربیت دی جائے، ضروری سامان سے لیس کیا جائے اور دُنیا میں بطور مبشر بھیجا جائے۔ میَں مسیح کے بدن کی اس ذمہ داری میں حصہ لیتا ہوں کہ وہ دیکھے کہ مقصد پورا ہو رہا ہے۔ لیکن میَں بذاتِ خود وہ نہیں ہوں جو مشق کرنے والے مبشر کے طور پر سامان مہیا کرتا ہے۔ میَں دوسرا پیشہ رکھنے والوں کی بابت بھی ایسا ہی کہہ سکتا ہوں۔

دوسرے کس طرح ہمارے پیشے کے بُلاوے کو متاثر کرتے ہیں۔ ہمیں ایمانداروں کی رفاقت اور دوستوں کو بھی سننے کی ضرورت ہے۔ بعض اوقات ہماری نعمتیں اور قابلیتیں ہماری نسبت ارد گرد رہنے والے دوسرے لوگوں پر زیادہ عیاں ہوتی ہیں۔ پیشے کی تلاش میں زیادہ لوگوں کی مشورت اور جماعت کی تشخیص ہمارے خیال میں زیادہ اہم ہوتی ہے۔ تاہم ہمیں خبردار رہنے کی ضرورت ہے کہ اگرچہ لوگوں کی رائے ہمیشہ درست نہیں ہوتی۔ یہ حقیقت ہے کہ مخصوص افراد یا گروہ سوچتے ہیں کہ ہمیں فلاں کام کرنا چاہیے یہ اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ یہ خُدا کی مرضی ہے۔

مَیں اپنی زندگی میں بے روزگاری کے چھ ماہ کے ایک دوَر میں سے گزرا۔ اس دورانیے میں مجھے امریکہ کے پانچ مختلف شہروں میں مختلف ملازمتوں کی پیش کش ہوئی۔ پانچ مختلف دوست میرے پاس آئے اور پانچوں ملازمتوں کی بابت بڑے خلوص اور جوش کے ساتھ کہنے لگے کہ ہمیں یقین ہے کہ خدا کی مرضی ہے کہ آپ یہ ملازمت کریں۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ اگر ان پانچوں کے پاس خُدا کی مرضی کو جاننے کا بلاواسطہ ذریعہ ہوتا تو خُدا مجھ سے یہ چاہ رہا تھا کہ مَیں پانچوں کل ُوقتی ملازمتوں کو کروں اور بیک وقت امریکہ کے پانچ مختلف شہروں میں رہائش پذیر ہوں۔ مَیں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ مَیں جانتا تھا کہ مَیں مکمل خطاکار ہوں لیکن ابھی تک اس نعمت کو نہیں کھوج سکا کہ مَیں کس طرح بیک وقت پانچ شہروں میں رہائش رکھوں۔ سادہ سی بات تھی کہ میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ مَیں ساری ملازمتیں کروں۔ کوئی میری زندگی کے لیے خُدا کی مرضی کو جاننے میں غلطی پہ تھا۔

مجھے اس دباؤ کو برداشت کرنا کافی مشکل لگ رہا تھا جو ان لوگوں کی طرف سے آرہا تھا جو خُدا کی مرضی کی بابت پُر یقین تھے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ ہم سب کو اس قسم کے دباؤ کا تجربہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں ہمیشہ خبردار رہنے کی ضرورت ہے کہ ہم کس طرح کی رائے پر اعتماد کرتے

ہیں۔ ضرور ہے کہ ہم درست رائے اور دوسرے لوگوں کی فضول ذاتی دلچسپیوں میں امتیاز کرنے کے قابل ہوں۔

جونہی میَں نکلا میَں نے چھٹی بات کو قبول کیا جس کے لیے کوئی میرے پاس آدھی رات کو خُدا کی طرف سے ٹیلی گرام لے کر نہیں آیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ چھٹی پوزیشن ہی وہ تھی جس پر مجھے عمل کرنا چاہیے تھا، جس نے میری صلاحیتوں کو میری ملازمت کے ساتھ مماثل کیا۔

متوقع نتائج پر غور کرنا

ایک آخری قابلِ غور بات جس کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے لیکن یہ انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ ملازمت کے کچھ ہی عرصہ بعد ظاہر ہونے والے نتائج ہیں۔ کوئی ملازمت صرف پیسہ یا جغرافیائی محل و قوع دیکھ کر اختیار کر لینا بہت بڑی غلطی ہو گی۔ میری خواہش ہو گی کہ علمِ الٰہی کا استاد ہونے کے ناطے میری سالانہ تنخواہ دس لاکھ ڈالر ہو اور رہائش ایسی جگہ پر ہو جہاں کی فضا سارا سال معتدل ہو۔ اس وقت میَں علمِ الٰہی کا استاد ہوں اور فلوریڈا میں رہائش پذیر ہوں۔ لیکن میری آمدنی دس لاکھ ڈالر سالانہ سے کہیں کم ہے۔ اس راستے میں کسی جگہ پر مجھے اپنی ترجیحات

کی بابت فیصلہ کرنا تھا۔ کہ کیا مجھے دس لاکھ ڈالر سالانہ کمانے ہیں یا مجھے اپنے پیشے کے بُلاوے کی طرف دیکھنا ہے۔ میری رہائش کا تعین میرے پیشے کے لحاظ سے ہونا تھا۔

ملازمت یا کاوبار کے فیصلے کے طویل مدتی یا قلیل مدتی نتائج ہوتے ہیں۔ ابرہام اور اسکے بھتیجے لوط کے معاملے کے بارے سوچیں جنہوں نے موعودہ سرزمین میں اکٹھے کام کیا۔ اُنکے ملازمین کے جھگڑے کی وجہ سے ضرور تھا کہ وہ اپنے علاقے کو الگ الگ بانٹ لیں۔ ابراہام نے لوط کو چناؤ کا پہلا موقع دیا اور کہا کہ وہ جس علاقے کا چاہے چناؤ کر لے۔ لوط نے نظر اٹھائی اور یردن کے پار بنجر علاقے کو دیکھا اور پھر شہر کے نزدیک زرخیز وادی کو دیکھا اور اس نے ایک لمحہ کے لیے سوچا "اگر میَں اِس زرخیز علاقے کو لے لوں گا تو میرے، مویشی وہاں چر سکیں گے اور موٹے تازہ ہو جائیں گے۔ یہ شہر کی منڈی سے تھوڑے ہی فاصلے پہ ہے میرا منافع بہت بڑھ جائے گا" اپنے کاروبار کا سوچ کر لوط نے شہر کے قریب کا زرخیز علاقہ چُن لیا اور ابرہام کو بنجر علاقے میں چھوڑ دیا۔ لوط کا چناؤ مویشیوں کو پالنے کے حوالہ سے کافی اچھا تھا۔ اس نے اپنے آپ سے یہ نہیں پوچھا کہ "میرا خاندان کس سکول میں جائے گا؟ میرا خاندان کس چرچ میں جائے گا؟" جس شہر کا اس نے چناؤ کیا وہ سدوم تھا جو کہ مویشیوں کو پالنے کا گڑھ تھا۔ قلیل مدتی نتائج زبردست تھے لیکن طویل مدت کے لیے سدوم میں رہنا بہت لحاظ سے تباہ کن ہو ثابت ہوا۔

کس طرح ہمارے کاروبار کے فیصلے ہماری دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں؟ایک شخص جو اپنے پیشے کا چناؤ صرف اور صرف پیسے، صحیح رہائش یا رتبے کی بنیاد پر کرتا ہے ہر لحاظ سے مایوسی اور کشمکش کو یقینی بناتا ہے۔

ہم ملازمت کے میدان میں سامنے آنے والی کشمکش کو اپنے آپ سے یہ سوال پوچھ کر ختم کر سکتے ہیں ''اگر مَیں اپنے خاندان یا حلقہ احباب میں کسی کو خُوش نہ کر سکا تو مجھے اس ملازمت یا کاروبار کا کیا فائدہ؟'' دوسرا اچھا سوال یہ ہے ''اب سے دس سال میں مجھے کیا کرنا ہے؟'' ان سوالوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے چاہے آپ اپنے کسی خاص کاروبار یا ملازمت میں مستحکم کیوں نہ ہو گئے ہوں۔ یاد رکھنے کی ایک اور بات یہ ہے کہ خُدا کے کلام کے وعدے کو ذہن میں رکھیں کہ روح القدس ہماری ساری سچائی کی طرف رہنمائی کرے گا۔ اسکے بچے ہونے کے ناطے اس وعدے میں ہمارا کاروبار یا ملازمت بھی شامل ہے۔

ہو سکتا ہے کہ اپنے کاروبار یا پیشے کے چناؤ میں خُدا کی فیصلہ کن مرضی ہمارے لیے ہمیشہ بالکل واضح نہ ہو لیکن اسکی ناصحانہ مرضی کو آسانی سے پرکھا جا سکتا ہے۔ ہم جہاں بھی ہیں، جس بھی شعبہ میں ہیں اسکی ناصحانہ مرضی ہمیشہ پوری ہونی چاہیے۔

بالآخر خُدا ہمارے کاروبار یا ملازمت کے حوالے سے ہم سے کیا توقع کرتا ہے؟ مسیحی ہونے کے ناطے سے ہم اس متعفن اور تاریک دُنیا میں روحانی نور اور نمک ہونے کے لیے بُلائے گئے ہیں۔ ہمیں خُدا کی نعمت اور توڑے کے عقلمند اور دیانتدار مختار بننا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ ہم ایماندار، صابر، محنتی اور ذمہ دار بننے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہمیں بہتر نہیں بلکہ بہترین ہونا ہے۔ خُدا اِس الٰہی بُلاوے کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے ہم میں سے ہر ایک کی مدد کرے۔

باب چہارم

شادی کے لیے خُدا کی مرضی

ہمارے کاروبار یا نوکری کے علاوہ دوسراموضوع جو کہ ہر قسم کے حالات میں توجہ طلب ہے وہ ہماری اِزدواجی حیثیت ہے۔ کیا مجھے اِزدواج کے بندھن میں بندھنا چاہیے یا پھر غیر شادی شدہ رہنا چاہیے؟ ممکنہ طور پر مسیحی لوگ زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے زیادہ اِزدواج کے موضوع پر اپنی توانائی صرف کرتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اِزدواجی زندگی سے متعلق فیصلہ ہماری زندگیوں پر گہرے اثرات چھوڑتا ہے۔ایک شخص کا اپنی اِزدواجی حیثیت کے بارے میں احساس ہی اسکی تکمیل کے احساس،اسکی پیداواری صلاحیت اور ذاتی تصور جیسی باتوں کا تعین کرتا ہے۔اِزدواجی رشتے کی حقیقت اور اسکی سنجیدگی اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب ہمیں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شخص جو ہمیں بہت گہرے طور پر جانتا اور جس کے سامنے ہم سب سے زیادہ کمزور اور عاجز ہو جاتے ہیں اور وہ جو ہماری زندگیوں کو بناتا اور ہماری زندگیوں پر اثر چھوڑتا

ہے وہ ہمارا شریک حیات ہے۔اس لیے اِزدواجی زندگی میں داخل ہونے کے پہلوؤں کو غیر سنجیدگی سے نہیں لینا چاہیے۔

''کیا یہ خُدا کی مرضی ہے کہ میَں شادی کروں؟''اس سے پہلے کہ ہم اس عام سوال کو حل کریں ضروری ہے کہ اس سے متعلقہ کچھ دوسرے اہم سوالوں پر غور کر لیا جائے۔

کیا مجھے شادی کرنی چاہیے؟

کم از کم حالیہ سال تک اس سوال کا جواب جو ہماری ثقافت نے دیا ہے۔ آج بھی ہم میں سے زیادہ تر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عمر میں بڑھوتی کے ساتھ شادی حسبِ معمول زندگی کا ایک قدرتی اور ضروری عمل ہے۔ بہت طرح سے پریوں کی کہانیوں کے کردار (Prince Charmingاور Snow white) شیکسپیئر کے رومانوی ڈرامے اور آج کل کے ہیرو اور ہیروئین کے پیش کردہ مختلف انداز سے ہمیں یہ اشارہ ملتا ہے کہ معاشرہ چاہتا ہے کہ ہم شادی شدہ لوگوں میں شامل ہوں۔ وہ لوگ جو معاشرے کی اس توقع کو پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں

وہ روائتی قسم کے لوگوں کے ذہن میں عجیب خیال پیدا کر دیتے ہیں کہ شاید انکے ساتھ کچھ مسئلہ ہے اس لیے وہ غیر طبعی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اِزدواج کے بندھن میں نہیں بندھ سکے۔

پہلی نسلوں میں اگر کوئی آدمی اِزدواجی بندھن کے بغیر تیس سال کا ہو جاتا تو اس کے بارے میں شک کیا جاتا تھا کہ وہ ہم جنس پرستی کا رُجحان رکھتے ہیں۔ یا کوئی عورت بھی تیس سال کی عمر تک کنواری رہتی تو اسکے کے بارے میں شکوک جنم لیتے کہ شاید اس میں کوئی نقص ہے جس کی وجہ سے اس کا شادی کی طرف رُجحان نہیں ہے یا پھر اس میں بھی ہم جنس پرستی کا رُجحان پایا جاتا ہے۔ اس طرح کے شبہات کسی بھی طرح سے بائبل میں موجود نہیں ہیں۔

بائبلی نقطہ نظر سے کئی مثالوں میں کنوارپن کا چناؤ ایک جائز انتخاب ہے (جیسا کہ کلام مقدس کنواروں سے چاہتا ہے)۔ اس کے علاوہ اِزدواج کو ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہمارے اِزدواج کے تقدس پر خُدا کی برکات ہیں تو بھی ہم اپنے خُداوند کی ذات میں کنوارہ رہنے کی مثال دیکھتے ہیں بشرطیکہ ہمارا اِزدواج خُداوند کی فرمانبرداری میں ہو۔ یسوع مسیح نے کنوارپن کی زندگی اس لیے بسر نہیں کی کہ ان میں مردانہ خصوصیات کی کمی تھی جو پر کشش اِزدواج رکھنے میں حائل ہوئیں بلکہ الٰہی منصوبے نے انہیں ایسا کرنے سے روکے رکھا۔ اور اس بات کو اہمیت

دیتے ہوئے اس نے مستقبل میں شادی کے لیے اپنے آپ کو اپنی دلہن ''کلیسیا'' کی تیاری کے لیے مخصوص کر دیا۔

کنوار پن کے بارے میں بائبل میں سب سے اہم ہدایت پولس رسول نے کرنتھیوں کے نام پہلے خط کی ایک طویل عبارت میں دی۔

''کنواریوں کے حق میں میرے پاس خُداوند کا کوئی حکم نہیں۔ لیکن دیانتدار ہونے کے لیے جیسا خُداوند کی طرف سے مجھ پر رحم ہوا اس کے موافق اپنی رائے دیتا ہوں۔ پس موجودہ مصیبت کے خیال سے میری رائے میں آدمی کے لیے یہی بہتر ہے کہ جیسا ہے ویسا ہی رہے۔ اگر تیرے پاس بیوی ہے تو اس سے جُدا ہونے کی کوشش نہ کر اور اگر تیرے پاس بیوی نہیں تو بیوی کی تلاش نہ کر۔ لیکن تو بیاہ کرے بھی تو گناہ نہیں اور اگر کنواری بیاہی جائے تو گناہ نہیں مگر ایسے لوگ جسمانی تکلیف پائیں گے اور مَیں تمہیں بچانا چاہتا ہوں۔

مگر اے بھائیو! مَیں یہ کہتا ہوں کہ وقت تنگ ہے۔ پس آگے کو چاہیے کہ بیوی والے ایسے ہوں کہ گویا ان کے بیویاں نہیں۔ اور رونے والے ایسے ہوں گویا

نہیں روتے اور خُوشی کرنے والے ایسے ہوں گویا خُوشی نہیں کرتے۔اور خرید نے والے ایسے ہوں گویا مال نہیں رکھتے۔اور دنیوی کاروبار کرنے والے ایسے ہوں کہ دنیا ہی کے نہ ہو جائیں کیونکہ دنیا کی شکل بدلتی جاتی ہے۔ پس مَیں یہ چاہتا ہوں کہ تم بے فکر رہو۔ بے بیاہا خُداوند کی فکر میں رہتا ہے کہ کس طرح خُداوند کو راضی کرے۔ مگر بیاہا ہوا شخص دنیا کی فکر میں رہتا ہے کہ کس طرح اپنی بیوی کو راضی کرے۔ بیاہی اور بے بیاہی میں بھی فرق ہے۔ بے بیاہی خُداوند کی فکر میں رہتی ہے تاکہ اس کا جسم اور روح دونوں پاک ہوں۔ مگر بیاہی ہوئی عورت دنیا کی فکر میں رہتی ہے کہ کس طرح اپنے شوہر کو راضی کرے۔

یہ تمہارے فائدے کے لیے کہتا ہوں نہ کہ تم کو پھنسانے کے لیے بلکہ اس لیے کہ جو زیبا ہے وہی عمل میں آئے اور تم خُداوند کی خدمت میں بے وسوسہ مشغول رہو۔اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ میں اپنی اس کنواری لڑکی کی حق تلفی کرتا ہوں جس کی جوانی ڈھل چکی ہے اور ضرورت بھی معلوم ہو تو اختیار ہے اس میں گناہ نہیں۔ وہ اس کا بیاہ ہونے دے۔ مگر جو اپنے دل میں پختہ ہو اور اسکی کچھ ضرورت نہ ہو بلکہ اپنے ارادہ کے انجام دینے پر قادر ہو اور دل میں قصد کر لیا ہو کہ مَیں اپنی

لڑکی کو بے نکاح رکھوں گا وہ اچھا کرتا ہے۔ اور جو نہیں بیاہتا وہ اور بھی اچھا کرتا ہے۔ جب تک عورت کا شوہر جیتا ہے وہ اس کی پابند ہے۔ مگر جب اسکا شوہر مر جائے تو وہ جس سے چاہے بیاہ کر سکتی ہے۔ مگر صرف خُداوند میں۔ مگر جیسی ہے اگر ویسی ہی رہے تو میری رائے میں زیادہ خُوش نصیب ہے۔ اور مَیں سمجھتا ہوں کہ خُداوند کا روح مجھ میں بھی ہے۔ (1- کرنتھیوں 7 باب 25 تا 40 آیت)

اِزدواج کے بارے میں پولس رسول کی اس تعلیم کی بہت ہی زیادہ غلط تفسیر کی گئی ہے ۔کچھ لوگ اس عبارت سے یہ مطلب نکالتے ہیں کہ پولُس اِزدواج کے حوالہ سے ایک فرق نظریہ پیش کر رہاہے کہ کنوار پن اچھاہے اورازدواج بُراہے۔ خاص کر ان لوگوں کے لیے جو مسیح کی پیدائش سے لے کر اُسکی دوسری آمد تک کے عرصہ میں اسکی خدمت کے لیے بُلائے گئے ہیں۔ حالانکہ مندرجہ بالا حوالے پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی یہ پتہ چل جاتاہے کہ پولُس اس حوالہ میں کنوار پن اوراِزدواج دونوں کے درمیان اچھے اور بُرے میں فرق کا بیان نہیں کر رہا بلکہ اچھائی کو مدمقابل لا رہاہے۔ وہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہاہے کہ خاص حالات میں کنوار پن کا چناؤ کرنا اچھی بات ہے۔ دوسری طرف شادی کا چناؤ کرنا بھی جائز اور اچھاہے۔ پولُس اُن

مشکلات کو بیان کر رہا ہے جن کا ایک مسیحی کو شادی کے بعد سامنا کرنا پڑتا ہے۔اہم بات یہ ہے کہ ہماری اِزدواجی زندگی پر خُدا کی بادشاہی کا اثر ہو۔

کنوار پن کا سوال کہیں پر بھی اتنا متنازعہ نہیں ہے جتنا کہ رومن کیتھولک کلیسیا میں ۔تاریخی طور پر پروٹسٹنٹ کلیسیا نے یہ اعتراض کیا ہے کہ رومن کیتھولک کلیسیا کلام مقدس کے مطالبہ سے کہیں بڑھ کر راہبان پر کنوار پن کو لازم قرار دینے سے صحائف کی بجائے قوائد پرستی کی طرف چلی گئی ہے۔اگرچہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ کلام مقدس راہبان کو شادی کی اجازت دیتا ہے۔ وہیں پر کلام مقدس یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ وہ شخص جو شادی شدہ ہے اور خُدا کی خدمت بھی کر رہا ہے وہ کچھ خاص معاملات میں مسائل کا سامنا کرتا ہے جو کلیسیا اور اس کے خاندان کے درمیان اسکی وفاداری کے تقسیم ہونے سے کھڑے ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے کیتھولک کلیسیا اور پروٹسٹنٹ کلیسیا میں تکرار اتنی بڑھ چکی ہے کہ پروٹسٹنٹ کلیسیا نے ایک اِنتہاپراتنازور دیا ہے کہ کنوار پن کو جائزانتخاب کے طور پر خارج ہی کر دیا ہے۔

ہم پولُس رسول کے الفاظ کی طرف واپس چلتے ہیں جو کہ کنوار پن اور اِزدواج کے اچھے پہلوؤں میں امتیاز کرتا ہے۔ آخری تجزیہ میں اس کا امتیاز یہ اجازت دیتا ہے کہ کوئی مرد یا عورت کنوار پن اور اِزدواج میں سے جو اسے مناسب لگتا ہے اس کا چناؤ کرے۔ پولُس کسی بھی طرح

سے اِزدواج کے قابل عزت رشتے کو بدنام نہیں کر رہا بلکہ اِزدواجی رشتے پر خُدا کی اس برکت کا دعویٰ کر رہا ہے جو کہ تخلیق کے وقت دی گئی تھی۔ اِزدواج کے بندھن میں بندھنے سے کوئی شخص گنہگار نہیں بن جاتا بلکہ اِزدواج ایک جائز، عظیم اور قابلِ عزت چناؤ کے طور پر مسیحیوں کے سامنے رکھا گیا ہے۔

نکاح نامہ صرف ایک کاغذ کا ٹکڑا؟

کیا مجھے اِزدواج کے بندھن میں بندھنا چاہیے؟ اس سوال کا ایک رخ کنوار پن کے مسئلے سے آگے جوڑا بننے کی طرف نکل جاتا ہے۔ کہ کیا ایک جوڑے کو باقائدہ اِزدواج کے بندھن میں بندھنا چاہیے یا پھر بغیر شادی کے اکٹھے رہ کر اس انتخاب کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ ہماری مغربی تہذیب میں پچھلی چند ایک دہائیوں میں باقاعدہ اِزدواج کے بندھن میں بندھنے کی بجائے بغیر شادی کے اکٹھے رہنے کا انتخاب بڑھ گیا ہے۔ مسیحیوں کو محتاط رہنا چاہیے کہ وہ اِزدواج سے متعلق اپنے ضابطوں کو (یا زندگی کی دوسری اخلاقی سمتوں کو) اپنے معاشرے کے معیار کے مطابق نہ ڈھال لیں۔ زندگی کی اخلاقیات کے بارے میں مسیحیوں کے ضمیر پر صرف اس بات کی حکمرانی

نہیں ہونی چاہیے جو اجتمائی طور پر قابل قبول ہو یا پھر اس کی جو ملک کے قانون کے مطابق جائز ہو بلکہ اس کی جو خُدا کے قانون کے مطابق جائز ہو۔

بد قسمتی سے بعض مسیحیوں نے شادی کے قانونی اور رسمی طریقوں کو یہ کہتے ہوئے رد کر دیا ہے کہ اِزدواج دو لوگوں کے درمیان نجی اور انفرادی سپردگی کا معاملہ ہے۔ اس لیے اس کے کوئی قانونی یا رسمی مطالبے نہیں ہیں۔ ایسے لوگ شادی کو ایک ظاہری رسم کی بجائے ایک انفرادی اور نجی معاملہ سمجھتے ہیں۔ اس مسئلے میں ایک سوال جو خُدا کے خُدام سے متعدد بار پوچھا گیا یہ مسیح میں نام نہاد آزادی کو ظاہر کرتا ہے۔ ہمیں اس اِزدواج کو شرعی بنانے کے لیے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر دستخط کرنا کیوں ضروری ہے؟

نکاح نامے پر دستخط کرنا کسی شخص کے لیے کسی بے معنی دستاویز پر کوئی نقش ثبت کرنا نہیں ہے۔ نکاح نامہ پر دستخط کرنا بائبل کے بیان کردہ عہد کا ضروری حصہ ہے۔ عہد گواہوں کے سامنے علانیہ طور پر اور باقاعدہ شرعی اقرار کے ساتھ باندھا جاتا ہے۔ جس کو معاشرے کے لوگ سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ دونوں ساتھیوں کی حفاظت داؤ پر لگی ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی ضمانت ہونی چاہیے تاکہ دونوں میں سے کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو دوسرے فریق کے لیے تباہ کن ہو۔

اقرار ناموں پر دستخط کی ضرورت ہماری گری ہوئی فطرت میں گناہ کی موجودگی کی وجہ سے پیش آئی۔ چونکہ ہمارے اندر ایک دوسرے کو زخم دینے کی بہت زیادہ قابلیت موجود ہے اس لیے شرعی اقرار ناموں کی مدد سے قانون نافذ کرنا ضروری ہے۔ اقرار نامے نہ صرف گناہ سے بچاتے ہیں بلکہ قانونی اور اخلاقی خلاف ورزی کی صورت میں ایک بے گناہ کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ ہر اقرار یا عہد کے ساتھ جو مَیں نے کسی دوسرے انسان کے ساتھ کیا ہے ایک طرح سے میرا ایک حصہ قابلِ مجروح بن جاتا ہے جو کہ دوسرے شخص کے رد عمل کی وجہ سے غیر محفوظ ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی انسانی معاملہ انسان کو اتنی تکلیف نہیں پہنچاتا جتنا کہ اِزدواجی رشتہ۔

خُدا نے لوگوں کو محفوظ کرنے کے لیے شادی کے موثر قوانین اور ضابطے بنائے ہیں۔ اسکی شریعت کا آغاز اپنی گری ہوئی مخلوق کے ساتھ محبت، اسکی فکر اور رحم سے ہوا۔ خُدا نے جو احکام شادی کے بغیر جنسی اعمال پر لگائے ہیں انکا مطلب یہ نہیں کہ خُدا دوسروں کے رنگ میں بھنگ ڈالنے والا یا جنسی معاملات میں نمائشی پاکیزگی دکھانے والا ہے۔ جنسی عمل ایک لطف ہے جسکو اس نے خود خلق کیا اور نسلِ انسانی کو دیا ہے۔ خُدا اپنی لا محدود حکمت میں یہ جانتا ہے کہ کوئی اور وقت نہیں ہوتا جب انسان اتنا اکیلا ہو سوائے اس وقت کے جب وہ جنسی تعلق میں مصروف ہوتے ہیں۔ پس وہ اس جنسی عمل کو خاص حفاظت میں ڈھانپتا ہے۔ وہ مرد اور عورت دونوں سے

یہ کہتا ہے اپنا آپ دوسرے کو دینا محفوظ ہے جب اس کے پیچھے ہونے والے زندگی بھر کے عہد کا علم موجود ہوتا ہے۔ ایک ایسا معاہدہ جو باقاعدہ دستاویز، گواہوں، خاندان، دوست، کلیسیا اور ریاست کے سربراہ کی موجودگی میں رسمی طریقہ سے سربمہر کیا جاتا ہے اس میں اور سرگوشی میں، کھوکھلے وعدوں کے ساتھ، بند دروازوں کے پیچھے کیے گئے معاہدوں میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔

کیا مَیں اِزدواج کے بندھن میں بندھنا چاہتا ہوں؟

پولُس رسول 1 کرنتھیوں 7 باب 8 تا 9 آیت میں یوں لکھتا ہے۔ ''پس مَیں بے بیاہوں اور بیواؤں کے حق میں یہ کہتا ہوں کہ ان کے لیے ایسا ہی رہنا اچھا ہے جیسا مَیں ہوں۔ لیکن اگر ضبط نہ کر سکیں تو بیاہ کر لیں۔ کیونکہ بیاہ کرنا مست ہونے سے بہتر ہے۔'' اچھے اور بہتر میں فرق ہے۔ یہاں پولُس رسول جلنے کا خیال متعارف کرواتا ہے۔ دوزخ کی آگ میں نہیں بلکہ خُدا کی عطا کردہ طبعی فطرت کی آگ میں۔ پولُس یہاں صاف صاف بیان کر رہا ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ کچھ

لوگوں کے لیے کنوارپن بہتر نہیں ہے۔ شادی ان لوگوں کے لیے بھی قابل عزت اور شرعی چناؤ ہے جن میں جنسی جذبات بکثرت اُبھرتے ہیں اور یہ جنسی آزمائش سے بچت بھی ہے۔

کیا مجھے شادی کرنی چاہیے؟ یہ سادہ لیکن بہت اہم سوال ہے۔ بائبل شادی سے منع نہیں کرتی۔ درحقیقت یہ مخصوص صورت حال کے علاوہ شادی کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ مثلاً جب تک شادی کسی کے بُلاوے کے ساتھ متصادم نہ ہو۔ لیکن اس سمت میں بھی شادی کے لیے شق باقی رہتی ہے۔ پس شادی کے لیے خواہش بہت اچھی بات ہے۔ انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ اسکی خواہشات اور ضروریات پوری ہوں۔

اگر میرے اندر شادی کی مضبوط خواہش موجود ہے تو اگلا قدم یہ ہوگا کہ اس خواہش کو کس طرح پورا کیا جائے۔ اگر کسی شخص کو نوکری چاہیے تو ضروری ہے کہ وہ سنجیدگی سے روزگار کے موقعوں کی تلاش کرے۔ جب ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کالج یا یونیورسٹی میں جانا ہے تو ہمیں درخواست دینے کے تمام رسمی طریقے اپنانے پڑیں گے اور ہمیں مختلف کیمپس کو جانچنا پڑے گا۔ شادی اس سے مختلف نہیں ہے۔ آسمان سے کوئی طلسماتی ہدایت نہیں آئے گی جو ہمارے لیے خُدا کی کامل مرضی کے مطابق شریک حیات کا فیصلہ کرے گی۔ بدقسمتی سے یہاں پر مسیحی ہمارے معاشرے میں پائے جانے والے پریوں کے قصے کہانیوں سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص

کنواری نوجوانوں خواتین کے ساتھ یہ زیادہ مسئلہ ہے۔ بہت ساری نوجوان خواتین سوچتی ہیں کہ اگر خُدا کی یہ مرضی ہے کہ وہ شادی کریں تو خُدا اُن کے لیے پیراشوٹ کے ذریعے آسمان سے شریک حیات اُتارے گا یا کسی خوبصورت شہزادے کو سفید گھوڑے پر بٹھا کر ان کے دروازے کے سامنے لے آئے گا۔

ایک اذیت ناک مسئلہ جو ہم سے پہلی نسل کی نوجوان کنواری خواتین کو زیادہ درپیش تھا وہ ہمارا معاشرتی (غیر تحریری) قانون تھا۔ جو آدمیوں کو اس بات کی آزادی دیتا تھا کہ وہ اپنے لیے شریک حیات کی تلاش کریں لیکن اگر کوئی نوجوان خاتون اپنے لیے شوہر کی تلاش کرتی تو وہ بازاری یا سستی عورت تصور کی جاتی۔ کوئی بائبلی قانون یہ نہیں کہتا کہ اگر کوئی خاتون شادی کرنا چاہتی ہے تو وہ چپ کر کے بیٹھی رہے۔ کوئی چیز اس کو اپنے لیے مناسب شوہر کی تلاش کرنے سے نہیں روک سکتی۔

بعض اوقات مجھے یہ کام سونپا گیا کہ مَیں ان کنواری خواتین کی اصلاح کروں جو انٹرویو کے شروع میں اس بات پر بضد تھیں کہ ان کے اندر شادی کرنے کی خواہش موجود نہیں ہے بلکہ وہ سادہ طریقے سے اِس سمت پہ کام کرنا چاہتی ہیں جو خُداوند کی طرف سے انہیں سونپی گئی ہے کہ وہ کنواری رہیں۔ کچھ سوالات وجوابات کے بعد عام طور پر ایک ہی منظر بار بار سامنے آتا کہ وہ جوان

خواتین روپڑتیں اور چِلا اُٹھتیں ”لیکن میَں حقیقت میں شادی کرنا چاہتی ہوں۔“ جب میَں اُسے کہتا کہ عقلمندی کے کچھ اقدام ہیں جو وہ شوہر کی تلاش کے لیے اٹھاسکتی ہے تو وہ میری طرف حیرانی سے یوں دیکھنے لگ پڑی جیسے میَں نے اُسے کوئی ممنوعہ کام کرنے کی اجازت دے دی ہو۔ میَں نے ایک دستور ورواج کو توڑا ہے۔

حکمت اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ امتیاز اور مصمم ارادے کے ساتھ تلاش ہونی چاہیے۔ وہ جو شریک حیات کی تلاش کرتے ہیں ان کو کچھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ جیسے کہ ایسی جگہوں پہ جانا جہاں پہ دوسرے کنوارے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ انہیں ایسی سرگرمیوں میں حصہ لیناچاہیے جن سے وہ دوسرے کنوارے مسیحیوں کے قریب ہوسکیں۔

پرانے عہد نامہ میں یعقوب نے شریک حیات پانے کے لیے ایک دشوار گزار سفر کیا۔ اس نے خُدا کا انتظار نہیں کیا کہ وہ شریک حیات اس کے حوالے کرے۔ وہ وہاں گیا جہاں پر شریک حیات پانے کے مواقع میسر تھے۔ لیکن اس حقیقت کو کہ وہ ایک مرد تھا یوں نہ لیا جائے کہ یہ طریق عمل صرف مردوں تک ہی محدود ہے۔ ہمارے معاشرے میں عورتوں کو بھی یہی آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے شریک حیات کے لیے مصمم ارادے سے تلاش کریں۔

میَں اپنے شریک حیات میں کیا صفات دیکھنا چاہتا ہوں؟

مسیحی معاشرے میں ایک مثل پائی جاتی ہے کہ شادی دو انسانوں کے درمیان بے لوث محبت میں قائم رہنے کے اصول پر اتفاق ہے۔ کامیاب شادی میں بے لوث محبت انتہائی اہم چیز سمجھی جاتی ہے۔ اس مثل کی بنیاد اس معقول تصور پر ہے کہ خود غرضی اِزدواج میں بدامنی اور لڑائی جھگڑے کی جڑ ہوتی ہے۔ محبت کا بائبلی تصور اِزدواج اور دوسرے انسانی تعلقات میں خود غرضی کے عمل کو "نہ" کہتا ہے۔ تاہم خود غرضی کا علاج "بے نیازی" میں کہیں نہیں ملتا۔

"بے نیازی" کا تصور ایشیائی اور یونانی سوچ سے لیا گیا ہے جہاں پہ انسانیت کی مثالی منزل یہ ہے کہ کائنات کے ساتھ ایک ہو جانے سے اپنی شناخت کھو دی جائے۔ اس خاکہ میں انسان کی منزل یہ ہے کہ سمندر میں ایک قطرہ بن کر اپنے مخصوص وصف کو ختم کر دے۔ استغراق کا ایک اور پہلو اس خیال میں پایا جاتا ہے کہ ایک فرد اس عظیم روح کے ساتھ ایک ہو کر ساری کائنات میں پھیل جاتا ہے۔ لیکن بائبل کے نقطہ نظر سے ایک فرد کی منزل اپنی حیثیت کو ختم کر دینا نہیں ہے بلکہ اپنی نجات ہے۔ اِزدواج میں بے لوث کی تلاش بے کار یا ادنٰی عمل ہے۔ اچھے اِزدواج کی تعمیر کے لیے اپنی انفرادی ہستی کو قائم رکھنا ایک درست عمل ہے۔ اِزدواج میں ایک انفرادی

ہستی دوسری انفرادی ہستی کے ساتھ باہمی شراکت داری اور حساسیت کی بنیاد پر معاہدے میں شامل ہو جاتی ہے۔

اگر میَں ''بے نیاز''اِزدواج کا پابند ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ میَں ایسے شریک حیات کی تلاش کے لیے سروے کر رہا ہوں جس کے لیے میَں تیار ہوں کہ استعمال ہونے کے بعد میَں اپنی ہستی کو ختم کر دوں گا۔ یہ اس کے اُلٹ ہے جو شریک حیات کی بابت اس سوال ''میَں اپنے شریک حیات میں کیا صفات دیکھنا چاہتا ہوں؟'' کا مدعا ہے۔ جب کوئی انسان ساتھی کی تلاش کرتا ہے اسکو ایسا ساتھی تلاش کرنا چاہیے جو خصوصیات کے لحاظ سے اس کو بہتر بنا دے۔ جو اسکی شخصیت کی تعمیر کر دے اور بیک وقت جو اس بندھن سے خود اپنی شخصیت کی بھی تکمیل کر سکے۔

شریک حیات میں کن خوبیوں کی تلاش کرنی چاہیے؟ ایک چھوٹی سی مشق جس کو بہت سے جوڑوں نے مفید پایا ہے۔ اس کی بنیاد بے روک ٹوک کارروائی کے تصور پر ہے۔ شریک حیات کی تلاش کے وقت یوں نہیں ہونا چاہیے جیسے آپ کوئی کار خرید رہے ہوں۔ نئی کار کا استعارہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جب کوئی شخص نئی کار خریدتا ہے تو اس کے سامنے بہت سے

نئے ماڈل ہوتے ہیں جن میں سے اس کو چناؤ کرنا ہے۔ان ماڈلوں کے ساتھ ان کی ایک لسٹ ہوتی ہے جس میں بے شمار خوبیاں لکھی ہوتی ہیں۔جو اس نئے مثالی ماڈل میں پائی جاتی ہیں۔

اس کے ساتھ موازنہ کر کے فرض کریں کہ کوئی شخص اپنی مرضی کے مطابق ایسے ساتھی کے لیے درخواست کرتا ہے جس میں یہ تمام خوبیاں موجود ہوں۔تو یہ شخص جو یہ مشق کر رہا ہے زیادہ سے زیادہ سو خوبیاں یا اوصاف لکھ سکے گا جو وہ پسند کرے گا کہ ایک کامل انسان میں موجود ہوں۔ کام اور کھیل میں ہم آہنگی، پرورش کرنے کی خوبیاں، کچھ خاص ہنر، اور جسمانی اوصاف اس لسٹ میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔اس لسٹ کو مکمل کرنے کے بعد ایک شخص ضرور یہ جانے گا کہ یہ عمل کتنا بے کار اور گھٹیا ہے۔ کوئی بھی انسان ایسا کامل نہیں ہوتا جس میں یہ تمام خوبیاں پائی جائیں جو ہم چاہتے ہیں۔

یہ مشق اُنکے کے لیے مفید ہو سکتی ہے جو اپنی شادی کے لیے تیس سال کے لگ بگ یا اس سے زیادہ انتظار کر سکتے ہوں۔ایسا شخص بعض اوقات چھوٹی چھوٹی خامیوں پر اٹک جاتا ہے جس سے وہ ہر انسان کو نااہل قرار دیتا چلا جاتا ہے۔یہ مشق کرنے کے بعد ہو سکتا ہے وہ اگلا قدم اٹھائے۔وہ اپنی لسٹ میں کچھ خاص ترجیحات رکھ کر باقی نقاط کو ختم کر دے۔اب وہ شخص جو یہ مشق کر رہا ہے وہ اپنی لسٹ میں خصوصیات کو کم کر کے بیس تک لے آتا ہے۔ پھر دس تک لے آتا ہے

پھر پانچ تک۔ اس طرح لسٹ میں کمی کرتے جانا اسے اس بات پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ اپنی ترجیحات کو دوبارہ مرتب کرے اور صرف نہایت ضروری اوصاف تلاش کرے۔

یہ بہت ضروری باتیں ہیں جو ایک شخص کو صاف طور سے سمجھنی چاہئیں۔ کہ آخر کار وہ ملاقاتوں اور خاص طور پر شادی کے تعلقات سے کیا اخذ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو یہ جاننا چاہیے کہ کیا شادی کے تعلقات میں انکی خواہش صحت مند یا بیمار ہے۔ اس سے ہم مشورت کے اگلے قدم تک آجائیں گے۔

مجھے کس سے مشورت لینی چاہیے؟

شریک حیات کے لیے مشورت لینی چاہیے، بہت سے لوگ اس بات پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کیا شریک حیات کا چناؤ نہایت شخصی اور نجی معاملہ نہیں ہے؟ یہ کس طرح شخصی اور نجی معاملہ ہو سکتا ہے یہ ایک جوڑے اور آنے والی نسل، اُنکے خاندان اور دوستوں کے مستقبل کے لیے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ شادی بنیادی طور پر نجی اور شخصی معاملہ

نہیں ہے۔ کیونکہ شادی کا عمل بہت سے دوسرے لوگوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لیے مشورت اپنے دوستوں، پاسبانوں اور بالخصوص اپنے والدین سے لینی چاہیے۔

مغرب کی ابتدائی تاریخ میں شادیاں والدین یا بچالیوں (رشتے کروانے والوں) کے ذریعے سے طے پاتی تھیں۔ آج کے دوَر میں والدین کے ذریعہ سے شادیاں طے پانے کا خیال قدیم اور احمقانہ سمجھا جاتا ہے۔ امریکی ثقافت میں یہ خیال مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے۔ ہم ایسے مقام پر آ گئے ہیں جہاں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حق کسی اور کو نہیں دیا جا سکتا کہ وہ چناؤ کریں کہ ہمیں کس سے محبت کرنی ہے۔

والدین کی مرضی سے شادی کرنے کی ماضی کی اس رسم کے دفاع میں کچھ باتیں بتانے کی ضرورت ہے۔ پہلی بات یہ کہ خُوشحال شادی اس وقت بھی ممکن ہے جب آپ نے اپنے ساتھی کا چناؤ خود نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے یہ اعتدال سے متجاوز لگے لیکن میری یہ قائلیت ہے بائبلی نقطہ نظر کا مستقل اطلاق کیا جائے تو تقریباً دُنیا میں ہر جوڑا خُوشحال شادی کی تعمیر کر سکتا اور تعلقات میں خُدا کی مرضی کی عزت افزائی کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے ہم اسکو ترجیح نہ دیں لیکن اگر ہم اسکو اپنانے کے لیے رضا مند ہوں تو یہ سوچ شادی کے تعلقات کی تکمیل کر سکتی ہے۔ والدین کی مرضی سے طے پانے والی شادیوں کے دفاع میں دوسری بات جو بتانے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے

کہ کچھ حالات میں یہ شادیاں اس بنا پر طے پاتی ہیں کہ دو لوگ ہم خیال ہوں۔ اور ایسی باتوں سے اجتناب کیا جاتا ہے جو بعد میں نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ مثال کے طور جب کوئی شخص کچھ خاص کمزوریوں کی بنا پر کسی کو چھوڑ دیتا ہے تو ایسے مرد اور عورت کو درست پرورش کی گہری ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی ایک دوسرے کے لیے کشش تباہی کا باعث بنے گی۔ ایسے منفی ملاپ ہر روز ہمارے معاشرے میں ہوتے ہیں۔

میری یہ ترغیب نہیں ہے کہ مماثل شادیاں کی جائیں یا شادیوں کا انتظام والدین کریں۔ مَیں صرف شادی کا فیصلہ کرتے وقت والدین کی مشورت پر زور دے رہا ہوں۔ والدین اکثر شادی کے لیے ساتھی کے انتخاب پر اعتراض کرتے ہیں۔ بعض اوقات ان کے اعتراضات ان کی اس مستحکم قائلیت کی بنیاد پر ہوتے ہیں کہ ''کوئی بھی میرے بیٹے یا بیٹی کے معیار کے مطابق مناسب نہیں ہے۔'' اس قسم کے اعتراضات غیر حقیقی توقعات اور کچھ حسد پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگرچہ تمام والدین اپنے بچوں کے ساتھی کے حوالہ سے ایسے تباہ کن حسد اور اس قسم کی کشمکش میں نہیں پڑتے۔ بعض اوقات والدین اپنے بچوں کی شخصیت کے بارے گہری بصیرت رکھتے ہیں۔ اور وہ اپنی اولاد کے ان نقائص کو بھی دیکھتے ہیں جن کو وہ خود نہیں دیکھ پاتے۔ مندرجہ بالا اس شخص کی مثال میں جسکو پرورش کی شدید ضرورت ہے اس کی کشش اسی خاتون کی طرف ہو

گی جسکو پرورش کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے سمجھدار والدین اس بے جوڑ رشتہ کو تاڑ لیں اور اسکی سرزنش کریں۔ اگر والدین نے اِزدواجی تعلقات کی مخالفت کی ہے تو یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔

مَیں شادی کے لیے کب تیار ہوں؟

مشورت پا لینے کے بعد اس بات کی صاف سمجھ رکھتے ہوئے کہ مَیں کس چیز کے لیے پُر امید ہوں اور اپنی شادی کی بابت اپنی توقعات کو پرکھنے کے بعد ایک حتمی فیصلہ ہمارے لیے باقی رہ جاتا ہے۔ جونہی فیصلے کے دن نزدیک آتے ہیں تو کچھ لوگ اس نقطہ پر لاغر سا محسوس کرتے ہیں۔ کوئی کس طرح جانے کہ وہ شادی کے لیے تیار ہے؟ حکمت حکم صادر کرتی ہے کہ ہم شادی سے پہلے اسکی بابت مطالعہ کی جماعت میں شامل ہوں اور اچھے مشیروں کی مشورت لیں۔ تاکہ ہم ان گڑھوں کی بابت خبردار ہو سکیں جو اس نئے انسانی تعلق کی راہ میں آئیں گے۔ ہمارے معاشرے میں بہت سی شادیوں کے ٹوٹنے سے ایسے نوجوانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو شادی

کے عہد میں شامل ہونے سے ڈرتے ہیں۔ بعض اوقات پُراعتماد مشیر کی طرف سے ہمیں یاد دہانی کرانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اب شادی کا وقت ہے۔

شادی سے پہلے کون سی بات پر غور کرنا نہایت ضروری ہے؟ بے شک معاشی پہلو پر غور و خوض نہایت ضروری ہے۔ ایسا تعلق جو پہلے ہی کئی قسم کے دیگر جذباتی بوجھ سے گھرا ہے اس پر ایک اور معاشی بوجھ کا اضافہ کرنا اس کہاوت کو سچ ثابت کر سکتا ہے کہ "ایک تنکا اونٹ کی کمر توڑ سکتا ہے۔" یہ وجہ ہے کہ والدین اکثر جوان بچوں کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنی تعلیم مکمل ہونے یا معقول ذریعہ روزگار کے حصول تک انتظار کریں تاکہ وہ خاندان کی ذمہ داریوں کو نبھا سکیں۔

شادی کے لیے یہ تخلیقی اصول کوئی حادثاتی طور پر نہیں بن گیا کہ "اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی بیوی سے ملا رہے گا اور وہ دونوں ایک تن ہوں گے" "چھوڑے گا اور ملا رہے گا" اس کی جڑیں اس خیال میں ہیں کہ وہ ایک نیا خاندان تعمیر کرے گا۔ یہاں پر شادی کی تیاری کے لیے معاشی حقیقتیں غالب نظر آتی ہیں۔

اِزدواجی تعلق میں داخل ہونا نئی معاشی ذمہ داریاں اٹھانے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ شادی بہت سنجیدہ اقرار ہے جو دو انسان ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ ایک عورت یا مرد شادی

کے لیے اس وقت تیار ہوتا ہے جب وہ بعد میں پیش آنے والے حالات کے قطع نظر باقی ساری زندگی کسی ایک خاص شخص کے نام کر دینے پر تیار ہو جاتا ہے۔

ہمارے لیے اپنی شادی کی بابت خُدا کی مرضی کو سمجھنے کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ ہم خُدا کی ناصحانہ مرضی کو جانیں۔ نیا عہد نامہ صاف طور پر ہمیں بتاتا ہے کہ خُدا نہ صرف شادیوں کا حکم دیتا یا انکی تقدیس کرتا ہے بلکہ وہ انکو کسی ضابطے کے تحت چلاتا بھی ہے۔ اس کے احکام شادی کے بے شمار حقیقی اور عملی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ اِزدواج پر بہترین کتاب خُدا کا الہامی کلام ہے جس میں خُدا کی حکمت منکشف ہے اور اسکے قوانین اِزدواجی تعلقات کو متعین کرتے ہیں۔ اگر کوئی واقعی اِزدواج میں خُدا کی مرضی پوری کرنا چاہتا ہے تو اس کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ اس بات کو جانے کہ خُدا کا کلام ایسے تعلقات کے بارے میں کیا چاہتا ہے۔

خُدا اپنے شادی شدہ یا شادی کے خواہش مند بچوں سے کیا چاہتا ہے؟ خُدا دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ شریک حیات کے ساتھ وفاداری، باہمی ضروریات کو پورا کرنے اور مسیح کی حاکمیت کے نیچے رہ کر ایک دوسرے کی عزت کرنے کی توقع کرتا ہے۔ یقیناً ایک جوڑے کو ایک دوسرے کو اچھے مسیحی کے طور پر افزوں کرنا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو کچھ گڑ بڑ ہے۔

یقینی طور پر کنوار پن کسی بھی طرح سے شادی سے کم قابل عزت یا کم بابرکت نہیں ہے۔ ہمیں آدم اور حوا کو نمونے کے طور پر لینا ہے۔ خُدا کے منصوبہ میں ان دو انسانوں کا ملاپ بھی شامل تھا جنہوں نے اس بات کو ممکن بنایا کہ زمین کو اپنے جیسے انسانوں سے بھر دیں۔

بنیادی طور پر میَں کسی کے لیے اس معاملے میں خُدا کی مرضی کا بیان نہیں کر سکتا جتنا کاروبار کے معاملے میں کر سکتا ہوں اور میَں نے کیا بھی ہے۔ میَں کہوں گا کہ اچھے اِزدواج کے لیے سخت محنت کی ضرورت ہے۔ اور افراد کو شادی کو خوشگوار بنانا چاہیے۔

ہماری زندگیوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بالآخر خُدا کی مرضی کے بھید میں چھپا ہے۔ اُس کے فرزند ہونے کے ناطے ہمارے لیے خُوشی کی بات یہ ہے کہ خُدا کی مرضی کا بھید ہمارے لیے کوئی خوفناک چیز نہیں۔ ہمیں صرف اُس کے اصولوں اور سمتوں پہ درست عمل کرنا ہے اور اس کے وعدہ پہ یقین رکھنا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے۔

مصنف کے بارے میں

ڈاکٹر آر۔ سی۔ سپرول لِیگنئیر منسٹریز کے چیئر مین ہیں جو کہ انٹر نیشنل ملٹی میڈیا منسٹری ہے اور لیک میرَی فلوریڈا میں واقع ہے۔ موصوف سینٹ اینڈریوز، سین فورڈ، فلوریڈا میں منادی اور تعلیم کے سنئیر پاسبان بھی ہیں۔انکی تعلیمات روزانہ ریڈیو کے پروگرام ""اپنے ذہن کی تجدید""میں سنی جاسکتی ہیں۔اپنے منفرد تعلیمی سفر میں ڈاکٹر آر۔ سی۔ سپرول بطور پروفیسر خدمت کے لیے لوگوں کی تربیت بھی کرتے ہیں۔

موصوف ساٹھ سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں خُدا کی پاکیزگی، خُدا کی طرف سے بلائے گئے، مخفی ہاتھ، صرف ایمان، آسمان کا ذائقہ، سچائیاں جن کا ہم اقرار کرتے ہیں، اور خُداوند کی دعائیں شامل ہیں۔

ڈاکٹر آر۔ سی۔ سپرول نے ریفرمیشن سٹڈی بائبل کے جنرل ایڈیٹر کے طور پر بھی خدمت کی۔اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بچوں کے لیے متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں ""شہزادے کا زہریلہ پیالہ ""شامل ہے۔ڈاکٹر آر۔ سی سپرول اور ان کی اہلیہ ویسٹہ، لانگ ووڈ فلوریڈا میں رہائش پذیر ہیں۔

میں کیسے فیصلہ کروں کہ مجھے کیا کرنا ہے؟

مسیحیوں کا مقصد ایسی زندگی گزارنا ہے جو خُدا کو خوش کرتی ہے، چاہے ان کے حالات کیسے بھی ہوں۔ لیکن زندگی کے بڑے فیصلوں کا سامنا کرتے وقت، ہم اکثر سوچتے ہیں کہ خدا کیا چاہتا ہے کہ ہم کیا کریں؟

اس کتابچے میں۔ ڈاکٹر آر۔ سی ۔اسپرول ہمارے روزمرہ کے فیصلوں میں خُدا کی مرضی کے اطلاق کو دریافت کرنے کے لیے لازوال اُصولوں کا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ اُصول کس طرح دو اہم فیصلوں کے بارے میں بیان کرتے ہیں ہیں جن کا تعلق کاروبار کے انتخاب اور شریکِ حیات کے انتخاب سے ہے۔

اہم سوالات کی سلسلہ وار کتابچے میں ڈاکٹر آر۔ سی۔ سپرول اہم سوالات اور پُر فکر تحقیقات کے مختصر جوابات پیش کرتے ہیں جو اکثر مسیحیوں کے ذریعے پوچھے گئے ہیں۔

ڈاکٹر آر۔ سی۔ سپرول لیگنیئر منسٹریز کے بانی تھے اور سین فورڈ فلوریڈا میں سینٹ اینڈریوز چیپل کے بانی پاسٹر بھی تھے۔ ریفارمیشن بائبل کالج کے پہلے صدر تھا۔ وہ بشمول ''خُدا کی پاکیزگی'' ایک سو سے زائد کُتب کے مصنف بھی تھے۔

UCRT
URDU CENTER FOR
REFORMED THEOLOGY
اُردو سنٹر فار ریفارمڈ تھیولوجی

لیگنیئر لائبریری